جلد نمبر ۲ — شمارہ نمبر ۱۰ — ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ — جولائی ۱۹۶۷ء

زرِ سالانہ چھ روپے — فی پرچہ ۵۰ پیسے — غیر ممالک سالانہ ۱۶ شلنگ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

اے محمدؐ کز قیامت بر می آری سر ز خاک
سر بر آور زین قیامت درمیان خلق بین

عربوں اور یہود کی لڑائی جو درحقیقت کفر و اسلام کا معرکہ کہلائے گی جن تلخ اور ہولناک نتائج پر منتج ہوئی حساس طبائع اب تک اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ عربوں کی ہزیمت، سرزمین اسلام پر یہود (خذلھم اللہ) کا تسلط، بے پناہ مالی و جانی نقصان، اور سب سے بڑھ کر قبلۂ اول بیت المقدس کا سقوط۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ سب کچھ ہوا جو خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔

ایھا النفس اجملی جزعا فان ما تحذرین قد وقع

اس واقعۂ ہائلہ کے اسباب و عوامل پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ مگر جذبات کی شدت خیالات کے تشتت اور ہیجان و اضطراب کے عالم میں بمشکل صحیح رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ درحقیقت ہماری چودہ سو سالہ تاریخ میں فتنۂ ارتداد اور تاتاریوں کی یلغار کے بعد یہ تیسرا نازک وقت ہے۔ جو اسلام کو درپیش ہے اور جس نے اسلام کے کروڑوں وعویداروں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ اسکی تلخی صدیوں تک قائم رہے گی۔ اور اسے قائم رہنا چاہیئے کہ ایسے حوادث قوموں کی بیداری اور نئی کروٹ لینے کے لئے ہی قدرت کیطرف سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پھر اسلام جسکی اساس ہی قربانی اور ایثار جہاد پیہم اور جہد مسلسل پر ہے۔ اگر اس کے علمبردار جنہیں اللہ نے اپنی مخلوق پر گواہ (شھداء علی الناس) بنا کر بھیجا اپنے امتیازی اوصاف اور ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں تو لازمی ہے۔ کہ قدرت انہیں تازیانۂ عبرت دے تاکہ یہ اپنے آپ کو پہچان کر نئی توانائیوں سے رزم گاہ ہستی میں کود پڑیں۔ مگر قانون عروج و زوال کے مطابق ایسا نہ ہوا تو کیا اس روئے زمین پر قیامت تک شہادت علی الناس دعوت الی اللہ اور مدافعت حق کے لئے کوئی دوسری مخلوق آسمان سے اتر کر آئے گی۔؟ ــــ پس اگر اس واقعہ فاجعہ کے عوامل و محرکات پر غور و فکر ہماری بیداری اور غفلتوں کے تدارک کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ خدا فراموشی اور غیروں پر اعتماد و بھروسہ کی خرابی انابت الی اللہ اور خدائے حی و قیوم پر اعتماد و توکل سے بدل جاتی ہے۔ اور اس درس عبرت کی وجہ سے ہماری صفوں کا انتشار و

افتراق ختم ہو کر بنیان مرصوص اور جسدِ واحد کی شکل اختیار کر لیتا ہے، تو یہ شکست ہزار فتح مندیوں اور کامرانیوں کا پیش خیمہ اور یہ ہزیمت بلاشبہ "فتح مبین" بن سکتی ہے۔ باطنہ فیہ الرحمۃ وظاھرہ من قبلہ العذاب۔

پس اگر اس قیامتِ صغریٰ کے نتائج وعوامل پر غور و فکر ہمیں ان اسباب تک پہنچاتا ہے جن کا وجود ہمارے اندر ہے باہر سے نہیں۔ اور ان خرابیوں کا سرچشمہ ہمارے انفرادی اور اجتماعی اعمال اور ناعاقبت اندیشیاں ہیں، تو ہمیں غیروں کے شکوہ شکایت، جزع فزع، ہنگامہ آرائیوں اور خارجی و مادی اسباب کی نشاندہی اور ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرانے کی بجائے اولین فرصت میں اپنی صلاح و اصلاح میں لگ جانا چاہئے۔ مرض کا ازالہ تب ممکن ہے کہ پہلے فاسد مادہ اور اندرونی ناسور الگ کر دیا جائے۔ خدائے لم یزل نے ہمیں "اسلام" اور "خاتم النبیین" کی شکل میں جو نسخہ کیمیا اور اکسیر شفا عطا فرمائی۔ اس نسخہ سے اپنی خرابیوں کا ازالہ اور کمزوریوں کا تدارک کر دیں ورنہ خطرہ ہے کہ ہماری مزید غفلتوں سے ہمارے اجتماعی وجود کو جو گھن لگ چکا ہے، وہ پورے جسم کو ہلاک کر کے رکھ دے۔ ولا فعل اللہ کذالک۔

پس اے لوگو! جو قیامت تک اپنے آپ کو خدائے کریم کی نصرت و امداد کے مستحق سمجھے ہو کیا اللہ نے اپنی نصرت کے استحقاق کے لئے کوئی معیار مقرر نہیں کیا۔؟ اور کیا ہمارے صرف زبانی دعووں سے اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہر حال میں ہمیں فتح و کامیابی سے نوازے۔؟ حاشا وکلا اگر ایسا ہے تو تم نے استحقاق کے لئے غلط پیمانہ قائم کر رکھا ہے۔ کوئی مخلوق اپنی علاقائی، نسلی اور قومی خصوصیتوں یا وطنی اور لسانی عصبیتوں کی وجہ سے اس کے الطاف وعنایات کی سزاوار نہیں بن سکتی یہ تو سب ہمارے بنائے ہوئے معبودِ باطل ہیں، کہ اس نے کوئی دلیل اس کے لئے نہیں اتاری ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم وآباءکم ما انزل اللہ بھا من سلطان۔ اس کی دستگیری کا معیار اور امانت کا پیمانہ تو صرف اور صرف ایمان واسلام ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم اگر تم خدا کی مدد کرو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدم نہ اکھڑیں گے۔ وکان حقاً علینا نصر المومنین اور ہم پر لازم ہے مومنین کی مدد کرنا ———— ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

یہ "ایمان واسلام" جس پر ہماری دین و دنیا کی کامرانی اور خداوند تعالیٰ کی امداد و معاونت موقوف ہے۔ کیا صرف نام ہیں جنہیں اپنا کر حق تعالیٰ کا مطالبہ پورا ہو جاتا ہے۔؟ نہیں بلکہ وہ عبارت ہے اس باطنی کیفیت اور داخلی قوت سے جس کے نتیجہ میں تمام کائنات اور مخلوق کی ساری خود ساختہ

خدائیاں ہیچ نظر آئیں، عالمِ غیب مشاہدہ بن جائے اور راہِ حق میں متاعِ ہر دو عالم کی قربانی، فدائیت اور سرفروشی، کامیابی اور سرخروئی معلوم ہونے لگے۔ اسکی نظر میں فتح و شکست اور عروج و زوال کا دارو مدار آلات و وسائل پر نہ ہو۔ اسکی نگاہ صرف مسبب الاسباب پر رہے، اور وہ ایمان اور عقیدہ کی صداقت، مقاصد سے والہانہ شیفتگی، مضبوط یقین اور پاکیزہ کردار ہی کو اپنی کامرانیوں کا ذمہ دار ٹھہرائے۔

اس ایمانی کیفیت کا حامل جب اپنی تاریخ پر نگاہ ڈالتا ہے۔ تو اسے قدم قدم پر اس باطنی قوت سے ظہور پذیر ایسے محیر العقول کارنامے نظر آتے ہیں، کہ ظاہری آلاتِ حرب و ضرب اور مادی شوکت و سطوت سے تہی دامن مٹھی بھر جماعت اٹھتی ہے اور طاقت و قوت کے بڑے بڑے فرعونوں کا سارا دبدبہ اور طنطنہ خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ اسکی تاریخ بدر و حنین اور یرموک و قادسیہ معرکہ ہائے خونیں سے پٹی پڑی ہے۔ تاریخ کا آئینہ اس کے سامنے ان دلق پوش فقراء کو پیش کرتا ہے۔ جن کی ٹھوکروں سے قیصر و کسریٰ کا تاج مدینہ کی گلیوں میں پامال ہوتا ہے۔ اور جن کے لازوال ایمان و یقین کی بدولت کسریٰ کی ہزار ہا سالہ عظمت و شوکت چند سالوں میں پیوندِ خاک ہو جاتی ہے۔ اسکی تاریخ ان شاہانِ بے کلہ کو سامنے لاتی ہے جن کی للٰہی یلغار سے بحر و بر کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جو اپنے ناقابلِ تسخیر ایمان و عزیمت کے سہارے بحر الکاہل کے مہلک طوفانوں کو چیر کر جبل الطارق پر توحید کا نشان گاڑ دیتے ہیں۔ دلم در اثرات جن کے گھوڑوں کی باگ رہی ہے ——— وہ فاقہ مست فقیر (ربعی بن عامرؓ) جو فارس کے روم کے بھرے درباروں میں ایک عجیب شانِ بے نیازی سے داخل ہوا اپنے نیزے کی نوک سے ریشمی قالین کو چھیدتا اور گھوڑے پر سوار مخملیں فرشوں کو روندتا چلا گیا۔ سپہ سالار افواج کی مسند کے قریب پہنچ کر اترا اور قرار گاہ تکیہ سے اپنی سواری کو باندھا۔ کیا وہ کسی دوسرے گھرانے کا کوئی فرد تھا۔؟

اگر تم کہو کہ یہ تو عہدِ سعادت کی باتیں ہیں تو کیا تم نے کبھی سوچا کہ یہی بیت المقدس جس کے سقوط پر تم آج گریہ کناں ہو اور جسکی دیوارِ گریہ نے آج پورے عالمِ اسلام کو دیوارِ گریہ بنا دیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے مجدد اور محافظِ اسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب اسے کافروں سے واگذار کیا تو دنیا کی کتنی مادی طاقت ان کی پشت پر تھی۔؟ اور کتنی اجنبی اقوام پر انہوں نے بھروسہ کیا تھا۔؟ اور کیا دشمن نے طاقت و قوت جمع کرنے میں کوئی کسر اٹھائی تھی۔؟ ہرگز نہیں۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ روئے زمین کی تمام صلیبی قوت عالمِ اسلام کے اس ایک شہر پر اکٹھی ہو چکی تھی۔ یورپ جو ازل سے

اسلام کا بدترین دشمن ہے۔ شام کے چھوٹے سے خطّے پر امنڈ آیا تھا۔ اور اس کے تمام جنگ آزما بہادر مشہور بادشاہ اور سورما ـــ قیصر، فریڈرک، رچرڈ، شیر دل، شاہانِ انگلستان، فرانس، صقلیہ آسٹریا، فلانڈرز کے ڈیوک اور نائٹ سب نے مل کر اپنی آہنی فوجوں کے ساتھ اس خطّہ مقدس پر یلغار کی تھی، تو کیا صلاح الدینؒ جس نے پورے عالم اسلام کیطرف سے حریم اسلام کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا، فوجی قوت وطاقت میں ان سب سے بڑھ کر تھا۔؟ نہیں بلکہ ظاہری محدود اسباب سے زیادہ یہی ایمان کی قوت اور احتساب کی دولت تھی، جس کے بل بوتے پر انہوں نے صلیبیوں کو وہ عبرتناک سبق دیا کہ صدیوں تک سر نہ اٹھا سکے۔ وہ جہاد اور سرفروشی کا جذبہ تھا جس نے سلطان کو مجسّمہ جہاد اور شعلہ جوالہ بنا دیا اور جب تک خرمن باطل کو خاکستر نہ کیا چین سے نہ بیٹھے۔ اسی جذبہ نے سلطان سے اولاد و اعزہ اور وطن و مسکن کو خیرباد کہلوایا اور تپتے ریگستان کی زندگی گوارا کی۔ اسلام کا کھویا ہوا وقار و عظمت جب تک بحال نہ کیا تڑپتے رہے۔ کسی نے ان کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا کہ میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت اس غمزدہ ماں کی مانند ہوتی جس نے اپنے اکلوتے بیٹے کا داغ اٹھایا ہو وہ صفوں کو چیرتے دوڑتے پھرتے اور وجد میں ڈوب کر ان کی زبان پر ایک ہی دل دوز نعرہ ہوتا یاللاسلام، یاللاسلام اے لوگو اسلام کی مدد کرو۔ واحمداہ (ہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پھر انکی یہ ساری تگ و دو قوم و وطن اور رنگ و نسل کے وقار کی بحالی کے لئے تھی۔؟ نہیں بلکہ اسلام اور صرف اسلام کے لئے اعلاء کلمۃ حق اور مظلوم کی دادرسی کے لئے دین محمدؐ کا انتصار ان کا مطلوب اوّلین و آخرین تھا۔ اس نے ریجی نالڈ کمانڈر کو اپنے ہاتھ سے یہ کہہ کر تہ تیغ کیا کہ لو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں ـــ ھا انا انتصر لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ـــ اس گستاخ نے مکہ اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ سلطان نے یہ گستاخ زبان کھینچ لی ـــ وہ اپنی فتوحات کے لئے خداوند تعالیٰ سے مدد کا طلبگار تھا، ان کا پہلا اور آخری سہارا وہی خدائے احکم الحاکمین ہوتا شب بھر ان کی جبین نیاز اسکی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتی اور گڑ گڑا کر روتے، یہاں تک کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔

ایک طرف مؤمنانہ زندگی کے یہ روشن مینار جن کی روشنی میں ہمارے اسلاف نے حق کا بول بالا کیا اور دوسری طرف عصر حاضر کی ظلمت اور عالم اسلام کا دینی ضعف اور زوال، دنیا طلبی، اور خدا فراموشی کا بحران دینی اعتقادات میں تذبذب، قدرت کے وعدوں پر بے اطمینانی اور غیروں پر بھروسہ، یہود و نصاریٰ کی تقلید اور قدوسی اسلاف کی سیرت سے گریز و فرار فتفاوت بینہما ـــ موازنہ اور احتساب کیجئے ـــ

اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہے خستہ حال   پوچھے خدا کوئی کہ مسلمان ہے کہاں!

ہمیں اسوۂ حسنہ دیا گیا رسولِ کریم کے اعمال و کردار کا ہم نے معیار بنایا یورپی تہذیب کو اور پھر ہم سرتاپا اس یونانی تمدن میں ڈوبتے چلے گئے یہاں تک کہ۔۔۔ یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔ اور مخبر صادق کا یہ فرمان صادق ہوا کہ لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتی۔ تم ضرور پچھلے لوگوں کی قدم بقدم پیروی کرو گے، یہاں تک کہ لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم قیل یارسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن ؟ (رواہ الشیخان) اگر وہ لوگ سانڈے کے سوراخ میں گھسے ہوں تو تم بھی ان کے اتباع میں ایسا کرو گے، بعض نے پوچھا کہ کیا پچھلے لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ فرمایا تو اور کون۔؟ ۔۔۔ ہماری بود و باش معاشرت و سیاست سب کچھ ان ہی صلیبی اقوام کے رنگ میں ڈوب گئی، جو ہمارے ملک و وطن اور جان و مال کے دشمن رہے۔ ہمیں درس دیا گیا کہ شرافت و کرامت کا معیار صرف دین اور تقویٰ ہے اور عزت صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کیلئے ہے۔ ہم نے عزت اور افتخار کا معیار قومیت اور جاہلی عصبیت کو بنایا۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ قوم و نسل کے یہ بت خواہ عجمی ہوں یا عربی انہیں توڑ دیا جائے ہم نے انہی بتوں کو چوراہوں پر نصب کیا اور اس کی پوجا کرنے لگے۔ ہمیں بتلایا گیا کہ تمہاری دینی و دنیوی مشکلات کا مداوا صرف اسلام ہی ہے۔ مگر ہم نے پناہ ڈھونڈھی خود بیزار تہذیبوں اور نظریوں، کیپٹل ازم، سوشلزم، مارکسزم، اشتراکیت، وشیوعیت، نیشنلزم، ریشلزم میں۔ کھوکھلے نعرے۔ جو کبھی بھی ہم میں خدا داد صلاحیتوں کے ابھارنے کا جذبہ پیدا نہیں کر سکتے ۔۔۔ ہمیں تلقین کی گئی کہ مشرق و مغرب کے تمام مسلمان ایک گھر کے افراد اور ایک قالب کی جان ہوں۔ ولاتنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم۔ آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم بزدل بن جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ۔۔۔ مگر ہم نے اپنی قوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہوئے اور ہماری ساری توانائی دشمن کی بجائے باہمی جنگ و جدال پر خرچ ہوتی رہی۔ بجائے اپنی طاقت جمع کرنے کے کاسۂ گدائی لیا اور غیروں کی جبہ سائی کو اپنا شعار بنایا۔ ہمیں بانگ دہل اور بار بار کہا گیا کہ دشمنانِ حق کبھی تمہارے خیر خواہ نہیں بن سکتے۔ تمہیں خدا کی مدد اور اپنے زورِ بازو اور وسائل پر بھروسہ کرنا ہوگا۔

لایتخذ المومنون الکافرین	مسلمان کبھی بھی اپنے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر کافروں
اولیاء من دون المومنین ومن	کو دوست نہیں بناتے۔ اور جس نے ایسا کیا تو
یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئی	پھر خدا کے ساتھ اس کا کوئی سروکار نہیں۔

(۳۔۲۷)

اور یہ مقہور و مخذول یہود و نصاریٰ ان کے باہمی گٹھ جوڑ کو اشارہ کرتے ہوئے، کس قدر شدید وعید سنائی

یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء بعضہم اولیاء بعض ومن یتولہم منکم فانہ منہم (۵-۵۱)	اے مومنو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ جو تمہارے خلاف سازشوں میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے ایسا کیا تو بلاشبہ وہ ان ہی میں سے ہوگا۔

نہ صرف کافروں بلکہ حق و صداقت کا مذاق اڑانے والے وہ تمام لوگ جو اپنے عناد یا باطنی خبث والحاد اور گمراہی کی وجہ سے دین اور دینی اقدار کا مذاق اڑاتے ہوں، ہرگز تمہاری دوستی کے سزاوار نہیں:

یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوًا ولعبًا (۵-۶۰)	اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کے ساتھ ہنسی اور مذاق کرتے ہیں۔ اور تمہارے دین کو انہوں نے ایک کھیل بنا لیا ہے۔

ہمیں خبردار کیا گیا کہ بے جا لات زنی اور اپنی ظاہری کثرت اور قوت پر گھمنڈ نہ کرو۔ جس کا انجام شکست ہی ہو۔

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔	اور حنین کے دن جب کہ تمہیں اپنی کثرت کا گھمنڈ ہونے لگا پس اس کثرت نے تمہیں ذرا بھی نفع نہ پہنچایا۔ اور زمین تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

ہمیں تعلیم دی گئی کتاب و سنت کی مگر ہم نے اپنی نسلوں کو ان دونوں سے دور رکھا اور ترقی و کامیابی کا ضامن غیروں کی کافرانہ تعلیم گاہوں کو سمجھا۔ ہمیں ہمارے رسول نے واضح ہدایات دیں کہ مسلمان کی نظروں میں دنیا اور اس کی چند روزہ عیش و عشرت کوئی وقعت نہیں رکھتی، وہ ایک اہم مقصد رضائے حق اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر موت کو اتنا محبوب سمجھتا ہے جتنا کہ کافر ''شراب'' کو۔ مسلمان دنیا کو اکبر ہم نہیں بناتا، وہ موت کو وصال محبوب کا ذریعہ اور راہ حق میں شہادت حیات جاودانی کا موجب سمجھتا ہے۔ مگر ہم نے دنیا کی چند روزہ لذت کوشی ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ ہم دنیا اور مال و دولت کے غلام بن کر رہ گئے ہمارے ریگستانوں پر پیرس اور لندن کے بازاروں کا شبہ ہونے لگا، مگر ہماری مسجدیں ویران ہو گئیں۔ اور وہی کچھ ثابت کر دکھایا جس کا مخبر صادق و مصدوق ﷺ کو خدشہ تھا۔ فواللہ ما الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا وتھلککم کما اھلکتھم۔ قسم بخدا مجھے تمہارے بارے میں فقر کا فکر نہیں، مجھے یہ خدشہ ہے کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے اور تم اس پر اسطرح ریجھ جاؤ جس طرح اور لوگ اس پر ریجھ گئے اور

اوروں کی طرح تمہیں بھی ہلاک کر ڈالے۔

اسلاف نے ہمارے سامنے دنیا کی سبے وقعتی اور راہِ حق میں جذبۂ سرفروشی کے کیسے کیسے نمونے نہیں رکھے۔؟ یہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ ہیں، جنہوں نے میدانِ احد میں کسی جذبۂ جانسپاری سے دعا کی :

اللھم ارزقنی عدواً رجلاً شدیداً	الٰہی کل ایسے کافر سے میرا مقابلہ ہو جو حملہ و مدافعت
باسہ شدیداً حردہ اقاتلہ	میں قوی ہو، میں لڑوں تیری راہ میں ہو پھر وہ مجھے قتل
فیقتلنی فیقتلنی ثم یاخذنی	کر ڈالے اور میری ناک و کان کاٹ ڈالے پھر
فیجدع انفی واذنی فاذا لقیتک غداً قلت	جب تیرے حضور حاضر ہوں، اور تو دریافت
یا عبداللہ فیما جدع انفک واذنک	فرمائے کہ عبداللہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹے
فاقول فیک وفی رسولک فتقول	گئے، تب میں عرض کروں تیری اور تیرے رسول
صدقت ۔ (رحمۃ للعالمین)	کی راہ میں، تب تو فرمائے کہ ہاں سچ کہتا ہے۔

اور جیسا انہوں نے چاہا وہی معاملہ ان کے ساتھ پیش آیا ——— یہ عمرو بن جموح رضی صحابی ہیں جن کے پاؤں میں لنگ ہے۔ چاروں جوان بیٹے جہاد میں شریک ہیں۔ مگر وہ خود بھی شہادت کے لئے بیقرار ہے۔ کہ میں بھی اپنے لنگڑے پاؤں سے جنت میں چلوں پھروں۔ اور یہ دوسرے صحابی عمیر بن حمام رضی انصاری ہیں جنہوں نے جنت کی وسعتوں کا ذکر سنا تو کھجور کا کچھا دور پھینکا کہ اتنا عرصہ وصالِ محبوب میں کیوں رکاوٹ بنے اور میدان میں کود کر شہادت پائی، یہ انس بن نضر ہیں، کہ جسم پر اسی رضی زخم آئے ہیں۔ موت سے پہلے احد کے اس پار جنت کی خوشبو محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے نمونہ پیش کیا ان معصوم بچوں کا جو پنجوں کے بل کھڑے ہو ہو کر جہاد میں شرکت کا پروانہ مانگتے۔ ان لوگوں کا جنہوں نے بیعت کرتے وقت اپنے گلے پر ہاتھ پھیرا کہ اسے راہِ حق میں کٹوانے تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ——— ان مایۂ ناز خواتین کا جن کے شوہر، باپ، بھائی اور بیٹے سب راہِ حق میں شہید ہوئے مگر ان کو فکر دامنگیر ہے تو حضور سرورِ کائنات ﷺ کی صحت و عافیت کا ——— اسلام نے ہمیں آئیڈیا دیا فاروق اعظم رضی کا جو اپنی اونٹنی پر غلام کو بٹھائے اور اس کی مہار تھامے ہوئے بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہو رہے ہیں۔ اور ان کے کپڑوں میں بیشمار پیوند لگے ہوئے ہیں ——— مگر ہم نے راہ، اختیار کی موت سے فرار اور دنیا طلبی کی، مادیت کو آخرت پر ترجیح دی، اور بزدلی و کمزوری کو کہ دین کی رسوائی مول لی۔ پھر کیا اس مخبرِ صادق ﷺ نے ان خرابیوں کی ہلاکت آفرینی سے ہمیں آگاہ نہیں کیا ——— ؟ انہوں نے تو صاف الفاظ

میں فرمایا کہ :

"قریب ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر جھپٹ پڑیں جسطرح کھانے کے دسترخوان پر ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے۔ تمہاری تعداد اس وقت بہت زیادہ ہوگی مگر تم ولکنکم غثاء کغثاء السیل سمندر کی جھاگ جسکی کوئی حیثیت نہیں ہوتی"

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا : وتبقی حثالۃ کحثالۃ الشعیر لایبالیھم اللہ بالۃ ۔ یعنی جَو کا بھوسہ بن کر رہ جاؤ گے جس کی خداوند تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہ ہوگی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے قلوب میں وھن پیدا فرمادے گا۔ اور وھن کی تفسیر خود رسول کریم نے وہی فرمائی جو آج ہماری بربادیوں کی جڑ ہے۔ فرمایا حب الدنیا وکراھیۃ الموت۔ یعنی دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ——

ایک جویائے حق وصداقت مسلمان جب ان حالات اور اسباب پر غور کرے گا تو اس اعتراف پر مجبور ہوگا کہ جو کچھ پیش آیا ہم اس سے زیادہ کے سزاوار تھے۔ یہ تو اس رحمان ورحیم کی غایت کرم گستری ہے کہ ہمیں اب بھی اتنی مہلت دی گئی ہے، اور عمل کی ایک وسیع آماجگاہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ایسے اسلاف کی وارث اور ان امانتوں کی حامل امت کی یہ خود فراموشیاں تو ہمارے صفحۂ ہستی سے مٹ جانے کے لئے بھی کافی تھیں۔ مگر یقین کیجئے کہ اس رحیم آقا نے اپنی رحمتوں کی چادر امت مرحومہ سے اب بھی نہیں کھینچی —— ع۔ ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است

اس کا اعلان یہ ہے کہ :

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون	ہمت مت ہارو اور نہ اس شکست سے غمگین و
ان کنتم مؤمنین ان یمسسکم	شکستہ خاطر ہو اگر تم سچے مومن بن جاؤ تو فتح آخر کار
قرح فقد مس القوم قرح مثلہ وتلک الایام	تمہارے لئے ہے۔ اگر تم کو اس لڑائی میں زخم لگے
نداولھا بین الناس ۔	تو دشمن بھی تو زخم کھا چکا ہے۔ اور یہ تو وقت

کے نتائج وعواقب ہیں جو باری باری سب کو ظاہر ہو رہے ہیں۔

خدائے رحیم کی رحمت ونصرت سے مایوسی کفر ہے۔ یاس وقنوط مسلمان کا شیوہ نہیں اس کی رحمتوں سے ناامیدی اس کی نگاہ میں مبغوض ترین عمل ہے۔ وہ پکار کر کہتا ہے : لاتایئسوا من روح اللہ انہ لاییئس من روح اللہ الا القوم الکفرون۔ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو کیونکہ یہ تو کافروں کا شیوہ ہے —— ذرا دل کی گھبراہٹوں سے پوچھو تو لو کہ کبھی حق کی صداقت کفر کی تاریکیوں سے مغلوب ہو

سکتی ہے۔ ؟ کیا اسلام جیسا دین نصرت مسخ شدہ یہودیت اور نصرانیت سے دب سکے گا؟ کیا قرآن کریم صلیب سے شکست کھائے گا۔ ؟ کیا اسلام کی روشنی رہتی دنیا کے لئے نہیں۔ ؟ اور کیا خاکم بدہن عشق کی نبوت کا دور ختم ہو چکا۔ ؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا خدا سے حی و قیوم اپنی سرکش اور جابر و ظالم مخلوق کے ہاتھوں بے بس ہو چکا ہے۔ ؟ حاشا وکلا جبکہ ان سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ تو یقین کیجئے کہ حق تعالیٰ نے جس دین کو ساری صداقتوں کا مجموعہ بنا کر بھیجا اسے قیامت تک رہنا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے خدا کے لامحدود خزانوں میں بیشمار وسائل اور قوتیں موجود ہیں۔ اسکی بقاء کسی ایک قوم اور کسی ایک خطہ اور علاقہ سے وابستہ نہیں۔ اگر ایک تلوار اپنا کام پورا کر کے زنگ آلود اور بے کار ہوئی تو اسکی حفاظت کے لئے کروڑوں تازہ اور تابدار تلواریں غیب کی نیام سے نمودار ہونگی، اگر ایک قوم نے کوتاہی کی تو وہ دوسروں کو اس عزت سے سرفرازی بخشے گا۔ ان یشأ یذھبکم ایھا الناس ویأت بآخرین۔ اور جب تک اس کائنات رنگ و بو کی بقاء منظور ہے۔ اسلام اور اسلام کی روشنی بھی قائم رہے گی ـــــ ہمارے کرنے کا کام صرف یہ ہے۔ کہ قوموں کے عروج و زوال اور فلسفہ عروج و ارتقاء کی روشنی میں اس المیہ سے عبرت لیں، اپنی کوتاہیوں کی تلافی کریں، اور پختہ ایمان اور پاکیزہ کردار، نئے جوش اور ولولہ سے میدان میں اتریں تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور ہم محمد عربی علیہ السلام کا پھریرا پھر سے بیت المقدس اور دیگر مقبوضہ علاقوں پر لہرا سکیں ـــــ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ـــ وما تشاءون الا ان یشاء اللہ ان اللہ کان علیما حکیما ـــ

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

۲۱ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

پچھلے ماہ مجلس احرار اسلام کے مشہور رہنما اور متحدہ اسلامی محاذ کے صدر شیخ حسام الدین کا انتقال ہوا۔ شیخ صاحب موصوف کی ساری زندگی ملک و ملت کی بے لوث خدمات میں بسر ہوئی اور تحریک آزادی میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا۔ اس کے علاوہ حال ہی میں مولانا انظر شاہ قیصر مدرس دارالعلوم دیوبند کے خط سے انکی والدہ محترمہ کے وصال کا علم ہوا، مرحومہ حضرت محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ دارالعلوم حقانیہ میں ہر دو مرحومین کے رفع درجات اور پسماندگان کے صبر جمیل کیلئے دعائیں کی گئیں۔ دارالعلوم اور الحق تمام متعلقین کیساتھ انکے غم میں شریک ہے۔ (ادارہ)

ضبط و ترتیب ادارہ الحق

عربوں کی شکست شامتِ اعمال ہے

(خطبۂ جمعۃ المبارک)

(خطبہ مسنونہ کے بعد) سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہٗ لنریہٗ من آیاتنا انہٗ ھو السمیع البصیر۔

محترم بزرگو! اس وقت تمام دنیا کے مسلمان ایک عظیم آزمائش میں مبتلا ہیں۔ ایک بڑے اور نازک امتحان میں ۔۔۔ مسلمان کفار کے نرغہ میں ہیں۔ بالخصوص مقامات مقدسہ اور عرب علاقوں پر یہود کے قبضہ سے ایک عجیب حالت پیدا ہو گئی ہے۔ میں تو ذو چار دنوں سے راستے پر چلتے شرم محسوس کرتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں کہ کیا ہمیں خدا کی زمین پر چلنے اور اسکی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔؟ آج ہم خون کے آنسوؤں سے بھی روئیں تو اس غم کا تدارک نہیں ہو گا۔ مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی چیز مذہب، اسلام خدا اور رسولؐ کی عزت و آبرو ہے۔ مسلمان تو تمام دنیا کو خدا کے قانون کے اجراء احیاء دین اور اسلام کا جھنڈا سربلند کرنے کے لئے فتح کرتا ہے۔ مگر جب ہماری غفلت کی وجہ سے اسلام کے مراکز نہ بچ سکیں۔ تو ہماری مصیبت اور خواری کا کیا عالم ہو گا۔ مگر بھائیو! یہ سب مسلمانوں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک تازیانہ ۔۔۔ اگر ہم نے نصیحت پکڑ لی اور بیدار ہوئے تو یہ مصیبت آئندہ دارین کی کامیابی کا باعث بن سکتی ہے۔ اور اگر پھر بھی اپنی حالت نہ بدلی تو ہولناک نتائج ظاہر ہوں گے۔ دنیا دار الامتحان ہے۔ اور ہم سب کو خدا نے اسی امتحان کے لئے پیدا کیا۔ اور آزمائش ہماری تخلیق کا مقصد ہے ۔۔۔ خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا ۔۔۔

———— خدا نے موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے بہتر عمل والا ہے۔
ہم تمہیں راحت اور تکلیف دونوں شکلوں سے آزمائیں گے۔

جس طرح ایک طالب علم ایک ڈگری حاصل کرنے کے لئے امتحان دیتا ہے۔ تو عقلمند اور ہوشیار طالب علم کامیابی کے ذرائع اور وسائل متعین کر کے محنت اور کوشش کرتا ہے۔ اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکی محنت کو ٹھکانے لگا دیتا ہے۔ کہ خدا کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ مگر سست اور غافل طالب علم غفلت میں رہ کر ناکام ہو جاتا ہے۔ اور اسکی وجہ سے عمر ضائع ہو جاتی ہے۔ آج ہمارے اوپر جو آزمائش ہے، اس سے آپ سب واقف ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک پر یہود اور انکی پشت پر مغربی اقوام نے اس حد تک ظلم کیا۔ اس کا بیان مشکل ہے ——— کئی ہزار مربع میل علاقہ یہود کے قبضہ میں آیا۔ یہ پچھلے مقبوضات کے علاوہ ہے۔ اردن اور شام کا کافی حصہ ان کے تسلط میں ہے۔ بالخصوص بیت المقدس کا سقوط تو عام مسلمانوں کی غیرت کے لئے کھلا چیلنج ہے۔ مسلمان کی کسی زمین کے ایک انچ ٹکڑے پر جب کافر قبضہ کرلیں تو وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ جہاد کریں اور اسے دشمن سے چھڑا لیں۔ اگر انہوں نے کمزوری اور بے حسی کی اور مقابلہ نہ کر سکے تو ساتھ والے ملک کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ساری دنیا کے مسلمانوں پر ایک انچ زمین اور ایک مسلمان عورت کا کافر کے قبضہ میں چلے جانے سے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اور کوتاہی کی صورت میں سب سے مواخذہ ہوگا۔ کل عالم کے مسلمان مجرم اور گنہگار ہوں گے۔ البتہ اگر کافروں سے لڑنے والے ملک میں قوت مدافعت ہو تو سب پر فرض نہ ہوگا۔ مسلمان کے لئے سارا وطن ایک ہے، وہ قیود و حدود کا پابند نہیں ہوتا۔ اسکا معاہدہ صرف اللہ سے ہے۔ اور روئے زمین کے ایک سرے کے مسلمانوں کی مدد کے لئے دوسرے سرے کے مسلمانوں کو بیدار ہونا چاہیے۔ یہ فرنگی کی چالیں تھیں کہ انہوں نے مسلمانوں کو الگ الگ کر دیا۔ یہ ایران اور پاکستان ہے۔ یہ افغانستان ہے۔ وہ مصر، شام اور سعودی عرب اور اردن ہے۔ مسلمان سب ایک ملک کے باشندے اور ایک ہی مرکز سے وابستہ ہیں۔ اسکی مثال جسد واحد اور ایک جسم کی طرح ہے۔ کہ آنکھ کو تکلیف ہو تو ہاتھ اور کان تمام جسم کو صدمہ ہوگا۔ جس طرح دل ہاتھ پاؤں کان، آنکھ سب ایک مرکز کے تحت ہیں۔ اور سب ایک بدن کے اعضاء ہیں، اسی طرح مسلمان ایک ہی لڑی لا الٰہ الا اللہ میں پروئے گئے ہیں۔ اور ایک خدا کے غلام اور ایک رسول کی امت ہیں۔ حضور نے فرمایا، المومنون کجسد واحد اذا اشتکی عضو اشتکی کلہ، یعنی مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں جب بعض عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم پریشان ہوتا ہے۔ ——— آج جب یہود جیسا

ذلیل دشمن دندناتا ہوا آرہا ہے۔ یورپ کی مدد سے وہ دنیا بھر کی آواز کو ٹھکرا تا ہے۔ یہ انکی پرانی تاریخ ہے۔ آجتک حق کے مخالف اور انبیاء کے دشمن رہے ہیں۔ روایت ہے کہ ایک ایک دن میں بیت المقدس کے منبر کے اوپر انہوں نے ایک سو بیس انبیاء اور صلحاء کو قتل کیا۔ قرآن کریم نے ان کی خاصیت بیان کی کہ فریقاً کذبتم وفریقاً تقتلون - یعنی بعض کو جھٹلاتے رہے ہو اور بعض کو قتل کیا ——— پھر اسلام کے ساتھ تو انکی تمام تاریخ دشمن عناد اور ریشہ دوانیوں سے لبریز ہے۔ حضورؐ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بار بار انہوں نے آپؐ کو شہید کرنے کی سازشیں کیں۔ دعوت دے کر گھروں میں بلایا اور اوپر سے چکی کا پاٹ گرانے کا منصوبہ بنایا۔ علاوہ ازیں تمام غزوات، بدر، خندق، تبوک وغیرہ میں خفیہ سازشیں اسلام کے خلاف کرتے رہے۔ خیبر اور جزیرۃ العرب سے ان کے اخراج تک طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے رہے۔ بعض کتابوں میں منقول ہے کہ سلطان نورالدین زنگیؒ کے زمانہ میں یہودیوں ہی نے حضور اکرمؐ کے جسد اطہر کو نکالنے کے لئے مدینہ میں خفیہ سرنگ نکالی سلطان کو خواب میں حضورؐ نے مطلع کیا اور سازش کا پتہ چل گیا۔ آج بھی مسلمانوں کے خلاف جہاں بھی اور جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہودیوں کی شرارت اس میں شامل ہے۔ سلامتی کونسل کے نام سے جو کونسل قائم ہے۔ اس کے متعلق آج کے اخبار میں ہے۔ کہ اس کے دس شعبوں کے ستر آفیسر یہودی ہیں۔ پچھلی جنگ میں پاکستان کے خلاف امریکہ اور برطانیہ اور ان کے درپردہ یہودیوں کی ساری سازش تھی۔ انہوں نے ہندوستان کو ابھارا کہ درہ خیبر تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا جائے۔ مگر خدا کی امداد شامل حال ہوئی۔ ہمارے بہادر فوجی مجاہدین نے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ یہ مجاہد وہ لوگ ہیں، جو کسی بات پر قسم کھائیں تو خدا تعالیٰ ان کی لاج رکھتا اور اسے پورا فرماتا ہے۔ رب اشعث اغبر لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ - ——— مشرق وسطیٰ میں جو کچھ ہوا وہ ہمارے دینی اضمحلال اور خداوند تعالیٰ کے احکام سے لاپرواہی اور مذہب سے بے زاری کا نتیجہ ہی تو ہے۔ دشمنوں کی نظر بھی اسی چیز پر ہے۔ کہ مسلمانوں کے قلوب سے مذہب کی روح نکال دی جائے۔ دنیا کی محبت، خواہشات اور ہوس کے ذریعہ انہیں موت کی نیند سلا دیا جائے۔ ایک یہودی نے لکھا ہے کہ مسلمان عورت اور مال سے مجبور ہے۔ یہ مختلف ممالک میں دین کی تحریف و تجدد اور سود و شراب اور زنا کو حلال قرار دینے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، ان کی پشت پر یہی یہود اور مغربی اقوام ہیں۔ غرض فسق و فجور سب کا سرچشمہ یہی یہود اور مغربی اقوام ہیں۔ حضورؐ کی پیشنگوئی ہے کہ جب ایسا وقت آجائے کہ تم دنیا و مال و دولت کے غلام بن جاؤ اور موت سے بھاگنے لگو۔ تو تمہاری مثال سمندر کے جھاگ کی طرح ہوگی کہ پانی کا بہاؤ اسے

جدھر چاہیے لے جائے اسوقت قومیں ایک دوسرے کو بلائیں گی کہ آؤ مسلمانوں کو ہر طرف سے ختم کردیں۔ کہیں پاکستان پر حملہ اور کہیں عرب پر حملہ یہاں تک کہ ہمارے اس ضعف اور ذمہ داریوں سے غفلت کی وجہ سے قبلۂ اول بیت المقدس بھی ان کے قبضہ میں آگیا۔

بھائیو! اس روئے زمین پر تین مقدس مساجد ہیں۔ جو تمام روئے زمین سے بہتر ہیں ــــــ

(۱) بیت اللہ الحرام جسکی طرف رخ کرکے پانچ وقتہ نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ خدا نے اسے اتنی فضیلت دی کہ اگر کوئی شخص نماز تمام آداب و مستحبات اور خشوع خضوع سے بھی پڑھے مگر رخ قبلہ سے قصداً موڑ لیا۔ تو امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک کافر ہوا۔ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یخشیٰ علیہ الکفر اس پر کافر ہونے کا خطرہ ہے ــــــ غرض تمام لوگوں کی عبادت قبول نہیں ہوگی جب تک رخ خانہ کعبہ کی طرف نہ ہوگا۔ ان اول بیت وضع للناس ۔ عبادت کا اولین گھر جسے لوگوں کے لئے مکہ مکرمہ میں قائم کیا گیا ــــــ دنیا کی آبادی سے قبل خداوند تعالیٰ نے بیت اللہ کا خطہ پیدا فرمایا اور جب تک یہ رہے گا حجاج حج کرتے رہیں گے۔ دنیا آباد رہے گی۔ اور جب اسے ڈھا دیا گیا جیسا کہ قیامت کے قریب ایسا ہونا ہے۔ (خداوند تعالیٰ وہ وقت ہماری زندگی میں نہ لائے) تو سارا عالم تباہ ہو جائے گا۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس میں ایک نیکی اور ایک نماز ایک لاکھ کے برابر ہے۔

(۲) دوسری مسجد حضور اقدس علیہ السلام کی مسجد ہے۔ جس میں حضورؐ کا روضۂ اقدس بھی ہے۔ فضیلت کے لحاظ سے دوسرا درجہ اس کا ہے۔ قبر شریف اور منبر کے درمیان کا خطہ تو روضۃ من ریاض الجنۃ (الحدیث)۔ (جنت کے باغیچوں کا ایک باغیچہ ہے) جس نے اس میں دو رکعت پڑھیں خدا تعالیٰ اسے جنت پہنچا دے گا۔ یا حقیقی معنوں میں جنت کا ٹکڑا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ جیسے ارباب بصیرت تو فرماتے ہیں کہ حقیقۃً جنت ہے۔ کیونکہ انہوں نے وہاں ایسے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کیا ہے۔ جو صرف جنت میں ہوں گے۔

(۳) تیسرا مقدس خطہ بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ کا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے پہلے بیت اللہ کی تعمیر کی پھر چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ کی۔ پھر انقلابات آتے رہے۔ سیدنا ابراہیمؑ نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کی اور جیسا کہ مشہور ہے، حضرت سلیمان نے بھی اسکی تعمیر کرائی۔ حضرت سلیمانؑ نے دعا کی۔ رب هب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی ۔ حکومت کی درخواست کی جو دلیل ہو اور معجزہ ہو کہ کسی غیر کی دسترس میں نہ ہو۔ خدا نے جنات کو بھی ان کا مسخر بنا دیا۔ جنات دنیا کی کانوں سے بہترین پتھر یہاں لاتے اور اسکی تعمیر میں لگاتے۔ پھر اس کے بعد سیدنا موسیٰ سیدنا

عیسیٰ ہر دور میں یہ مقام مقدس انبیاء کا مرکز رہا۔ ہزاروں انبیاء نے اس میں خدا کی بندگی کی۔ ہمارے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے شب معراج میں آسمانوں کو پرواز کی۔ یہاں تمام انبیاء کو امامت کرائی۔ مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد سولہ ماہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کا قبلہ رہا۔ مکہ مکرمہ میں بھی آپ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے۔ اسطرح بیت اللہ کی طرف بھی رخ ہو جاتا تھا۔ حضور نے فرمایا: لا تشد الرحال الا الی ثلاث مسجد الحرام و مسجد الاقصیٰ و مسجدی ھذا۔ (عبادت کی نیت سے صرف تین مساجد کے لئے سفر جائز ہے۔ مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور میری مسجد)۔

قدرت کا اٹل قانون ہے کہ جب ایک قوم سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر جائے تو خدا اسے ضرور سزا دیتا ہے۔ تقریباً دو ہزار سال قبل جب یہود کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں تو خدا نے بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا۔ وہ بابل سے آیا اور یہودیوں کا یہاں سے قلع قمع کیا۔ عورتیں باندیاں اور مردوں کو غلام بنایا۔ خداوند تعالیٰ غفور الرحیم ہے جب انہوں نے توبہ کی تو خدا نے انہیں پھر یہاں کے معابد میں عبادت کا موقع دیا۔ اور جب پھر انہوں نے شر و فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انطوکس کو مسلط کر دیا جس نے ان کی جڑ نکالی، اور آج جب یہود نے برطانیہ اور امریکہ کی مدد اور سازش سے بیت المقدس پر قبضہ کیا۔ تو ہماری انتہائی غفلت اور بداعمالی کا نتیجہ ہے۔ ہمارے دارالعلوم کے ایک استاد نے جو پچھلے دنوں وہاں سے آئے ہیں، چشم دید حالات بیان کئے۔ کہ اتنے بڑے شہر میں مسجد اقصیٰ جیسی مقدس مسجد میں نمازیوں کی تعداد تیس، چالیس سے بھی کم ہوتی ہے۔ ایک صاحب نے خط میں لکھا ہے کہ اس جنگ میں یہود نے اپنے مذہب کے مطابق دو دن قبل روزے رکھ کر لڑائی لڑی اور ہمارے مسلمان ناچ گانوں میں مصروف تھے ——

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔

بیشک خداوند کریم نے مسلمانوں کی نصرت اور امداد کا وعدہ کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ان کنتم مؤمنین کی شرط بھی لگائی ہے۔ کہ اگر تم سچے مومن ہو —— عربوں کے پاس اسلحہ موجود تھا۔ مگر ایمان کی دولت کمزور ہوئی اور نتیجہ —— ہر چہ بر ماست از ماست۔

دولت کی فراوانی اور عیاشی کا تو یہ عالم کہ ایک دوست نے بیان کیا کہ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا وہاں کے علاقہ کا سفر کر رہا تھا۔ میں نے رومال سے ناک صاف کی رومال کو جیب میں رکھا۔ ڈرائیور نے تھوڑی دیر بعد دراز سے رومال نکالا اس میں تھوک کر باہر پھینک دیا۔ اس کے ساتھ بیسیوں ایسے

رومال تھے جو ایک دفعہ استعمال کے بعد باہر پھینک دیئے جاتے تھے ــــ بہرحال وہ ہم سب کے بھائی ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد ہمارے محسن ہیں، کلمہ گو ہیں۔ ہمارے جگانے اور جذبہ غیرت بیدار کرانے کے لئے یہ تازیانہ قدرت کی طرف سے ہے۔ کہ اے مسلمانوں اپنا مقام پہچان لو۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرلو، قوم اور وطنیت کو معبود نہ بناؤ، اور نہ دشمنوں پر بھروسہ کیا کرو۔ عربوں کی شکست کا یہ صدمہ سب مسلمانوں کا ہے۔ مسلمان اپنے گھر بار گاؤں کی بربادی تو گوارا کر سکتا ہے۔ مگر خدا کے گھر کی بربادی گوارا نہیں کرسکتا کہ کافر اسکی بے حرمتی کریں۔ پھر بیت المقدس جو انبیاء کا معبد اور حضورؐ کا قبلہ رہا اور جس کے متعلق خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو (رسول کریم) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ الذی بارکنا حولہ کہ ہم نے اس کے چاروں طرف برکات ظاہری و معنوی پھیلائیں۔ ظاہری برکات یعنی سرسبزی، شادابی، باغات اور باطنی برکات انبیاء کے مزارات معنوی برکات بے شمار چشمے وہاں بکھیر دیئے۔ سارے روئے زمین کے مبارک مقامات میں تیسرا درجہ اسے دیا، اس میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار اور بعض روایات میں ہے کہ پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ مسلمانوں نے اس نعمتِ خداوندی کی بے قدری کی اسکی حرمت و عظمت کو ملحوظ نہ رکھا۔ اور جو قوم نعمتوں کی بے قدری کرے خدا اُسے سزا دیتا ہے۔ مشرکین مکہ نے ہزار سال تک بیت اللہ کی بے قدری کی اس کے اندر بت رکھے، خدا نے انہیں ہمیشہ کے لئے اس سے محروم کر دیا اور اپنے فضل سے وہاں سے توحید کا غلغلہ بلند کیا۔ اب بھی مسلمان سنبھل جائیں تو خدا کی رحمت شامل ہو جائے گی۔ ورنہ آئندہ آنے والے خطرات کا حدو حساب نہیں ہوگا۔ یہود اس پر بس نہیں کریں گے۔ ان کے عزائم یہ ہیں کہ اردن اور بحیرہ احمر پر قبضہ کرنے کے بعد اس راستے سے مدینہ طیبہ اور خیبر کو بھی اپنے ارادوں میں شامل کر لیا جائے۔ یورپی غیر مسلم ان کی پشت پر ہیں۔ صلیبی جنگوں اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے عہد کے مسلمانوں کا انتقام لینا ان کے مقاصد زندگی میں سے ہے۔ آج ہمارا فرض ہے کہ اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق اس جہاد میں حصہ لیں۔ یہود کے ساتھ کسی چیز کی کمی نہیں، اسلحہ، روپیہ، اور غلہ بے حساب ہے صرف امریکہ میں ایک دن میں اربوں روپے اور کروڑوں ڈالر چند کفار نے ان کے لئے جمع کیا۔ ہم یہ تو کر سکتے ہیں کہ عربوں کی مالی امداد کریں۔ امریکہ اور برطانیہ اور جو بھی مسلمان کی مخالفت کرتا ہے، ان سے ہر قسم کے تجارتی اور اقتصادی تعلقات توڑ دیں، ان سے بائیکاٹ کر دیں۔ اور بڑی بات یہ کہ

اپنی زندگی کو غیروں کی تہذیب و تمدن اور بیدینی نظریات اور تعلیم سے صاف کریں۔ اولاد کو انگریزی اور انگریزوں کے مشنری اداروں سے بچائیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ہماری زندگی بدلتی نہیں، نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ فلم بینی اور فحاشی سے توبہ، بیشتر اسی طرح چل رہے ہیں، ہر شخص اپنی بدعملی میں سرگرم ہے تو پھر بربادی کا شکوہ کیوں کرتے ہیں۔ جب قربانی، ایثار اور جہاد سے مسلمان کترائے گا تو ہلاکت کے گڑھے میں خود بخود گر جائے گا ـــــ یہ تمہارے بنگلے، موٹریں، ریشمی کپڑے، زر و مال اور بے حساب اشیاء تمہیں ہرگز نہیں بچائیں گے۔ تم نے یورپ سے صرف بدعملی اور بدتہذیبی سیکھی وہ تو ایک منٹ میں ایک جہاز بنائیں، بیشمار بم اور راکٹ بنائیں، یہود کے بچانے کے لئے اربوں روپے جمع کریں اور ہم اپنی خرمستیوں میں مبتلا رہیں، اجتماعی مقاصد کو بالکل بھول جائیں تو اس کا انجام ہلاکت کے سوا آخر کیا ہوگا ـــــ یاد رکھیئے! کفر کی یلغار ختم نہیں ہوتی۔ کامیابی کے لئے تمام مسلمانوں کو پوری طرح زندگی کی کایا پلٹنا ہے ـــــ گذشتہ پاک بھارت جنگ میں پاکستانیوں نے سارے فواحش اور منکرات سے توبہ کی، خدا کی طرف رجوع کیا تو خدا نے مدد سے نوازا ـــــ آج بھی اگر مسلمانوں کو ملی حیات اور اپنی بقاء عزیز ہے۔ تو اس ہزیمت سے سبق لیں اور مومنانہ شان پیدا کریں، تو ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اسطرح مدد فرمائیں گے۔ جسطرح بدر و خندق میں خدا نے مدد کی۔

اب دعا کیجئے کہ یا اللہ مسلمانوں کی مدد فرما اور کفار کو شکست دے۔ ان کے منصوبوں میں خود انہیں گھیرے۔ یا اللہ امریکہ، برطانیہ اور یہود کے تمام معاونین پر اپنا غضب نازل فرما۔ یا اللہ تو نے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے۔ اگرچہ ہم اپنی بدعملیوں کی وجہ سے صحیح مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں لیکن پھر بھی تیری رحمت کے امیدوار ہیں۔ ہمیں صحیح مسلمان بننے کی توفیق عطا فرما، اور یورپ کی سازشوں سے ہمیں بچا، اور بیت المقدس کو اپنی بندگی کے لئے واپس دلا اور شہداء کو درجات عالیہ عطا فرما۔ اور مسلمانوں کو صرف اسلام پر متحد فرما۔ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما ـــــ اور اسلام کے خلاف تمام یہودی سازشوں کو ناکام بنا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

★ اپنے تئیں بڑا جاننا برا ہے۔ حقیقت میں خدا کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بڑائی اسی کو سزاوار ہے۔

★ فسق و فجور سے بچنا۔ تاوقتیکہ نظر کی حفاظت نہ کی جاوے دشوار ہے۔

★ تمسخر اکثر قطع دوستی، دلشکنی اور دشمنی کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے۔

★ اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھ لینا جہالت ہے بلکہ ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہیئے۔ (امام غزالیؒ)

رفیقِ مکرم مولانا شیر علی شاہ صاحب استاد دارالعلوم نے بلادِ اسلامیہ کی سیاحت اور زیارتِ حرمین سے واپسی پر قارئین الحق کی نشاطِ طبع کی خاطر اپنے مشاہدات قلمبند فرمانے کا فیصلہ کیا ہے۔ سقوطِ بیت المقدس کے جانگسل سانحۂ فاجعہ کی بناء پر آج کی فرصت میں حضرت فاروقِ اعظم و صلاح الدین ایوبیؒ کی امانت قبلۂ اول بیت المقدس کے متعلق جنگ سے چند دن قبل کے مشاہدات و تاثرات کا حصہ پیش کر رہے ہیں۔ مضمون میں جگہ جگہ عرب بھائیوں کے دینی انحطاط، مادیت پرستی، دنیا طلبی اور ان کے یورپی تہذیب میں سرتاپا ڈوبے جانے کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان ہی خرمستیوں کی وجہ سے بالآخر ملتِ اسلامیہ کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگنا تھا اور لگ چکا۔ فاناللہ ــــ ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم۔ کاش نصیحت پکڑنے والے قوموں کے عروج و زوال اور قانونِ مکافاتِ عمل کے اس واضح سبق سے نصیحت پکڑیں ــــ مولانا شیر علی شاہ صاحب کے لکھے ہوئے مسلمانوں کے مآثر و شعائر کے حالات پڑھنے سے زخم ہرے ہو جائیں گے مگر جب تک ملتِ مسلمہ خود بدل کر اپنی تقدیر نہیں بدلے گی، اجڑے ہوئے خزاں رسیدہ گلشنوں کی داستان سرائی اور اپنے حرمان نصیبوں کے ماتم پر اکتفا کرنا ہی ہوگا۔ اور آگے کا معاملہ خود ہمارے اندرونی انقلاب پر منحصر ہوگا

خزاں رسید و گلستان بآں جمال نماند
سماعِ بلبلِ شوریدہ رفت حال نماند
نشانِ لالہ دریں باغ از کسے پرسی
بدو کہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند

قارئین عراق و ایران اور اردن سے متعلق مشاہدات کی بقیہ اقساط اگلی فرصتوں میں ملاحظہ فرماتے رہیں گے۔

وحدثتني يا سعد عنها فزدتني جنونا فزدني من حديثك يا سعد

ہماری بس جب عیزریہ گاؤں کے پاس پہنچی، تو میرے ساتھ سیٹ پر بیٹھے ہوئے عرب ساتھی نے کہا، وہ سامنے عزیر علیہ السلام کی قبر ہے۔ اس گاؤں کو قریۂ عیزریہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے۔ یہاں سے اب

بیت المقدس دو کیلومیٹر رہ گیا ہے ، اور بتایا کہ وہ سامنے جانب جنوب کی پہاڑی کے دامن میں جو سڑک نظر آرہی ہے ۔ یہ بیت اللحم اور قریہ خلیل کو جانے والا راستہ ہے ۔ بیت اللحم میں کنیسۃ المہد ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور قریہ خلیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ، حضرت اسحاق علیہ السلام ، حضرت یعقوب علیہ السلام ، حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی ازواج مطہرات و دیگر بے شمار پیغمبروں کی قبریں ہیں ۔ اور وہ سامنے بورڈ جو سڑک کے موڑ پر نظر آرہا ہے ۔ اس پر اَلْمُکَبِّر (تکبیر پڑھنے کی جگہ) لکھا ہوا ہے ۔ سنہ ۱۵ھ میں جب خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، ابو عبیدہ کی درخواست پر مدینہ منورہ سے لشکر لے کر بیت المقدس کو فتح کرنے کی نیت سے نکلے تھے ۔ جب وہ یہاں پہنچے اور مسجد اقصیٰ ، مسجد صخرہ کی مقدس عمارتوں پر ان کی نگاہیں پڑیں ۔ تو انہوں نے فرط محبت اور وفور شوق کے عالم میں بے اختیار اللہ اکبر کا نعرہ لگایا مجاہدین نے اپنے امیر کے نعرہ پر نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے ان کے فلک شگاف نعروں کی گونج سے یروشلم میں رہنے والے مسیحیوں اور یہودیوں کے دل لرز اٹھے ۔ اس موڑ پر واقع بستی کا نام مُکَبِّرَہ ہے ۔ مکبرہ سے اوپر کا وہ پہاڑ جس پر سرو کے درخت نظر آرہے ہیں یہودیوں کے قبضہ میں ہے ۔ ہماری بس جب پہاڑوں کے پیچ در پیچ سلسلوں سے نکلی ، تو سامنے بیت المقدس کا پرشکوہ اور باوقار شہر نظر آیا ، مسجد اقصیٰ کے سفید جاذب نظر گنبد نے دلوں کو اپنی طرف کھینچا ، مسجد صخرہ کی حسین و جمیل عمارت پر سنہری گنبد ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ایک بہت بڑا نیلم سورج کی شعاعوں کے اثرات سے جھلمل جھلمل کر رہا ہے ۔ حرم قدس کی قلعہ نما سنگین اور مضبوط چار دیواری ، فلک بوس منارے دور سے دیکھنے والے کے دیدہ و دل میں اپنی قدامت و قداست کا نقش اتار رہی ہیں ، اللہ تعالیٰ نے ان مقامات میں کتنی بے پناہ رعنائی اور لامحدود جاذبیت ودیعت کر رکھی ہے ۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد مبارک کا شہر ہے ۔ اسکی پہلی آبادی جنات کے ہاتھوں سے کرائی گئی تھی ۔ بیت المقدس کے چاروں طرف پہاڑوں اور وادیوں میں زیتون ۔ انجیر ۔ انگور ۔ سرو سے قدرتی پیدا شدہ زمردی رنگ نے یہاں کے نشیب و فراز کو بہت ہی دلکش بنا دیا ہے ۔ یہ تو اس شہر کی ظاہری دلکشی کا سامان ہے ۔ اس بقعۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جو معنوی اور روحانی دل آویزی پیدا کی ہے ۔ اس کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ لیجئے :

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا	پاک ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے (حضرت
مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی	محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو معراج کی رات مکہ مکرمہ کی
الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا	مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچایا جس کے

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۔ ماحول کو ہم نے مبارک بنا دیا ہے۔ تاکہ ہم اپنے
پیارے بندے کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک، اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اب ہماری بس جبل زیتون کے دامن میں جا رہی ہے۔ زیتون کی یہ پہاڑی مسجد اقصیٰ کے بالمقابل جانب مشرق کو ہے۔ اس پہاڑی کی چوٹی پر وہ مبارک جگہ ہے۔ جہاں عیسیٰ علیہ السلام رات کو عبادت کے لئے جایا کرتے تھے۔ دن کو تو مسجد اقصیٰ مسجد صخرہ میں تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہتے۔ اور اسی جگہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں پر اٹھایا۔ آیت کریمہ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۔ کی تفسیر میں بعض مفسرین یہ توجیہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چار مبارک پہاڑوں پر قسم کھائی ہے۔ تین دمشق کی ایک پہاڑی ہے، یا یہاں ایک پہاڑی ہے، جہاں داؤد علیہ السلام پر تورات اتاری گئی۔ اور زیتون تو یہ سامنے والی پہاڑی ہے۔ یہاں عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری گئی۔ طور سینین صحرائے سینا کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ جہاں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تورات دی۔ بلد امین مکہ مکرمہ کو کہتے ہیں۔ جو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا کچھ حصہ یہاں اتارا گیا۔

سامنے وادی میں حضرت مریم علیہا السلام کا روضہ ہے۔ موقف الباصات (بسوں کا اڈہ) یہاں سے چار پانچ فرلانگ دور ہے۔ بس سے اتر کر باب العمود کے راستہ سے زاویہ افغانیہ کیطرف روانہ ہوا۔ کافی پوچھ گچھ کے بعد زاویہ تک پہنچا۔ یہاں مسافر خانوں کو زاویہ اور تکیہ کہتے ہیں۔ یہاں کئی زاویے ہیں۔ زاویۃ الاتراک، زاویۃ المغاربۃ، زاویۃ الفرس، زاویۃ الهنود وغیرہ اب تک موجود ہیں۔ شیخ عبداللہ افغانی متولی زاویہ افغانیہ سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہاں کے تمام کمرے افغانیوں سے بھرے ہوئے ہیں، جو خشکی کے راستے افغانستان سے حج کے ارادہ پر آئے ہیں۔ اور یہاں مقامات مقدسہ کی زیارت کی خاطر چند دن قیام پذیر رہیں گے۔ چونکہ یہ زاویہ مسجد اقصیٰ کے بہت قریب ہے اس لئے مجھے راستہ میں بعض دوستوں نے مشورہ دیا تھا کہ وہاں جگہ کی تلاش مفید ہوگی۔ مجبوراً زاویہ ہندیہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں ہند و پاکستان سے آئے ہوئے متعدد زائرین حجاز ملے۔ ان کی ملاقات سے خوشی ہوئی۔ ان میں اکثریت آسام سے آنے والے حاجیوں کی ہے۔ اکثر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت ہیں۔ ان کے ایک بہت بڑے عالم مولانا ابوالقاسم صاحب دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، ہمارے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے شاگرد ہیں، دارالعلوم دیوبند میں طحاوی شریف اور دیگر کتابیں ان سے پڑھتے ہیں۔ اپنے ایک ہم سلک

ساتھی سے ملنے سے جو خوشی حاصل ہوئی اندازِ بیان سے باہر ہے۔ یہ زاویہ مریم نامی عورت کے تصرف میں ہے۔ پہلے یہاں ہند و پاکستان کے مسافر مفت رہائش کیا کرتے تھے۔ اب مسافروں سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے۔ اس میں دو قسم کے کمرے ہیں اگر اپنے بستر کو فرش زمین پر ڈال کر رہنا چاہیں تو ایک شلن (پانچ گرش) چارج ہوگا۔ اور اگر زاویہ کی چارپائی اور بستر استعمال کریں تو تین شلن (پندرہ گرش) دینا ہوگا۔ یہاں کا شلن پاکستانی روپیہ سے معمولی زیادہ ہے۔ پاکستانی سو روپیہ کے نوٹ پر انشی۔ بیاسی شلن ملتے ہیں۔ یہاں نوٹ دینار کے استعمال ہوتے ہیں۔ ایک دینار میں ۲۰ شلن ہوتے ہیں۔ نصف دینار میں دس اور ربع دینار میں پانچ۔ ربع دینار سے کم کا نوٹ نہیں۔ یہاں کے نوٹوں پر یہاں کے بادشاہ ملک حسین کے فوٹو ہیں۔ وضو کر کے اپنے ساتھیوں کی معیت میں مسجدِ اقصیٰ کی طرف بے تابانہ روانہ ہوئے۔ یہ ساتھی مجھ سے ایک دن پہلے یہاں پہنچے تھے۔ راستوں سے واقف تھے۔

مسجدِ اقصیٰ | چھت پوش اور مسقف راستوں سے ہوتے ہوتے بابِ المُشتَغَنۃِ العَمرِیَّہ اور بابُ السِّلسِلۃ کے راستہ سے حرم تک پہنچے۔ مسجدِ اقصیٰ پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کیں۔ پروردگارِ عالم کا شکریہ ادا کیا۔ کہ اس نے اس بے بال و پر کو بے سر و سامانی کے عالم میں اس مبارک مقام تک رسائی کی سعادت بخشی۔ مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ صخرہ دونوں کا صحن اور میدان تقریباً پانچ فرلانگ لمبا اور تین فرلانگ چوڑا ہوگا۔ اور مسجدِ اقصیٰ کا کمرہ ۱۴۰ قدم لمبا اور سو قدم چوڑا ہوگا۔ اس کے اندر سنگِ مرمر کے بے شمار طویل و عریض ستون ہیں۔ اور ہر ایک ستون ایک ہی پتھر سے بنایا گیا ہے۔ محراب میں مختلف رنگوں کے رنگین سنگِ مرمر کے باریک ستون نصب ہیں۔ اس محراب کے بائیں کرنے میں سُبحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی کی آیتِ کریمہ قدیم زمانے کی کتابت و رسم الخط میں دلچسپی رکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کراتی ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی
المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا

محراب کی دائیں طرف زیتون کی لکڑی سے بنایا ہوا ایک طویل منبر ہے۔ جس پر قدیم طرز کی نقاشی اور گلکاری کی گئی ہے۔ اس پر لکھی ہوئی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منبر مجاہدِ اعظم قطب العصر نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ نے حلب (واقع شام) سے بھجوایا ہے۔ اس منبر پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - امر بعملہ العبد الفقیر الی رحمتہ - الشاکر لنعمتہ - المجاہد فی سبیلہ المرابط لاعداء دینہ الملک العادل نور الدین ، مرکز الاسلام والمسلمین منصف المظلومین

من الظالمین ابوالقاسم محمود بن زنگی۔ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ منبر بندہ ناچیز کی خواہش پر بنایا گیا جو خدا کی رحمت کا محتاج اور اسکی نعمتوں کا سپاس گذار ہے۔ جو اللہ کی راہ میں مجاہد اور دین خداوندی کے دشمنوں کے مقابلہ کیلئے پابرکاب ہے۔ بادشاہ عادل نورالدین ہے جو مرکز اسلام والمسلمین (مظلوموں کا حامی) ابوالقاسم محمد بن زنگی کا بیٹا ہے۔)

منبر کے دوسری جانب صنعۃ سلیمان بن معالی۔ عمل حمید بن ظافر الحلبی۔ درج ہے۔ محمود بن زنگی کا لقب نورالدین زنگی ہے۔ یہ منبر بہت پرانے زمانے کا ہے۔ مگر اب تک نیا محسوس ہوتا ہے۔۔ اس مسجد میں حنفی اور شافعی مسلک کے ائمہ نماز پڑھاتے ہیں۔۔۔۔۔ اب عصر کی نماز میں کافی وقت ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ زمین دوز مسجد اقصیٰ کی زیارت کر لوں (جو ایک تہ خانہ کی صورت میں ہے۔)

اس مسجد میں سیڑھیوں کے ذریعہ سے اترا جو اوپر کی مسجد اقصیٰ کے برآمدے سے باہر جانب مشرق کو ہیں۔ اس کا یہ دروازہ خاص اوقات میں کھلتا ہے۔ خوش قسمتی سے میں جب اترا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور کچھ زائرین اس تہ خانہ والی مسجد میں گھوم رہے تھے۔ یہ نیچے والی مسجد اپنی قدامت کے اعتبار سے بہت ہی متبرک ہے۔ یہ آبادی جنات کے ہاتھوں کی بنائی جاتی ہے۔ درحقیقت یہ بات قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ان دیواروں میں لگائے ہوئے چار چار گز لمبے چوڑے بھاری پتھر جنات ہی کے اٹھائے لگتے ہیں۔ اور یہ موٹے موٹے ستون جنکی موٹائی پندرہ فٹ اور لمبائی پچیس فٹ سے زیادہ ہوگی۔ ان قوی ہیکلوں کا ہی کام ہے، جبکہ اتنے وزنی پتھروں کے نقل وحمل اور نصب کے لئے موجودہ مشینی دور کے دیو ہیکل آلات ناپید تھے۔ یہ خیال اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ ستون بھی ایسے فولادی پہاڑوں کے منتخب کئے گئے ہیں جو ہزاروں سال گذر جانے کے باوجود اب تک جوں کے توں صحیح سلامت اور محفوظ کھڑے ہیں۔ اس زمین دوز مسجد اقصیٰ میں زکریا علیہ السلام کا وہ محراب قابل دید ہے جسکا رخ مسجد صخرہ کی طرف ہے یعنی جانب شمال کو۔ اس وقت قبلہ یہی تھا۔ اب تو قبلہ بیت اللہ ہے۔ جو جانب جنوب کو ہے۔ یہ محراب مسجد صخرہ کے بالمقابل ہے۔ آگے چل کر حجرۂ مریم دیکھا، جہاں مریم علیہا السلام عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ زائرین یہاں دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں۔۔۔۔۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا۔ الآیۃ میں اسی محراب کی طرف اشارہ ہے۔۔۔۔۔ اس مبارک زمین کو سجدہ گاہ بنا کر اسے اپنی جبین نیاز سے بار بار چومیئے۔۔۔۔۔ کبھی اس پر زکریا علیہ السلام۔ یحییٰ علیہ السلام۔ مریم علیہا السلام۔ عیسیٰ علیہ السلام اور بیشمار پیغمبروں کی مقدس نورانی

جبینوں نے سجدے کئے ہیں۔ یہاں انکی ہدایت بھری آوازیں گونجی ہیں۔ ان دیواروں نے ان کے مقدس چہرے دیکھے ہیں۔ عمران کی بیوی (حنہ بنت فاقوذہ) نے اس مسجد ہی کی خدمت کے لئے اپنی بیٹی مریم کو وقف کیا تھا۔ اس قدیم عمارت کی عظمت و رفعت کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ موذن کی اذان اس عظیم عمارت میں گونجی۔ لاؤڈ سپیکر کا ایک ہارن اس میں نصب کیا گیا ہے۔ بہت پیاری اور موثر اذان ہے۔ عمان ریڈیو اسٹیشن یہاں کی پنج وقتہ اذانوں کو نشر کرتا ہے۔ اذان ختم ہونے کے متصل ہی بعد پولیس نے آواز دی کہ دروازہ بند ہو رہا ہے۔ دیکھا تو میں صرف اکیلا رہ گیا تھا اور دیگر زائرین نکل چکے تھے۔ فوراً دوڑا سیڑھیوں پر چڑھ کر باہر نکلا۔ نماز عصر با جماعت ادا کرلی۔ یہ میری پہلی نماز ہے جسکو مسجد اقصیٰ میں ادا کیا۔ یہاں یہ بات میرے لئے اتنی تعجب خیز اور نئی نہیں ہے کہ یہاں کا امام بھی ریش تراشیدہ ہے۔ کیونکہ میں نے بغداد اور عمان کی کئی مساجد میں بے ریش کوٹ پتلون پہنے ہوئے ائمہ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ جس چیز نے مجھے ورطہ حیرت میں ڈالدیا ہے وہ یہاں نمازیوں کی قلیل تعداد ہے۔ عصر کی نماز میں چالیس پینتالیس تک نمازیوں کا شامل ہونا قابل صد حسرت ہے۔ ان میں بھی اکثریت باہر سے آنے والے مسافروں کی ہے۔ میرا مفروضہ تھا کہ یہاں نمازیوں کی اچھی خاصی جماعت ہوگی۔ مگر معاملہ برعکس ثابت ہوا۔ بیت المقدس جیسے عظیم شہر میں جہاں لاکھوں مسلمان بستے ہیں۔ ان میں درجن بھر نفوس کی شرکت یہاں کے مسلمانوں کے دینی انحطاط اور اسلام سے بے رغبتی کا بین ثبوت ہے۔ حالانکہ تمام روئے زمین پر یہ مسجد تیسرے نمبر پر ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اور مسجد نبوی میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح اس مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا اجر و ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ مَسْجِدُ الْحَرَامِ وَمَسْجِدُ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا

اوکما قال علیہ السلام۔ صرف تین مسجدوں کو بہ نیت ثواب حاصل کرنے کے لئے رخت سفر باندھنا چاہئیے۔ مسجد حرام۔ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبویؐ۔ یہ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں کی بنی ہوئی مسجد ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ قبلہ ان کے زمانے سے پیشتر کا قبلہ ہے۔ مگر انہوں نے اسکی بنیاد ڈال کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔ اس لئے ان کے ناموں پر یہ قبلہ مشہور ہے۔ زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ کا قبلہ رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے صدہا انبیاء کرام اور ان کے ہزاروں صحابہ اور تبعین نے اس مسجد میں نمازیں پڑھی ہیں۔ اور ابتداء میں سید الانبیاء تاجدار مدینہؐ کا قبلہ رہا ہے۔ اور اس وجہ سے حضور اکرمؐ کو جامع القبلتین اور نبی القبلتین کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ معراج کی رات انہوں نے انبیاء کرام کی متفقہ درخواست

پر اس مسجد میں امامت فرمائی تھی، اور یہاں سے سبع سموات (سات آسمانوں) پر تشریف لے گئے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی کی آیت اس مسجد کی فضیلت کی گواہی دے رہی ہے۔ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ کا جملہ اس مسجد کے ماحول کی برکت بیان کر رہا ہے۔ کہ ہم نے نہ صرف مسجد اقصیٰ کی محدود چار دیواری کو مشرف بنایا۔ بلکہ اس کے گرد و پیش سارے علاقہ میں برکت نازل کی ہے۔ اس کو مسجد اقصیٰ کہنے کی ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ اسکی سرزمین تمام آلائشوں سے دور ہے۔ اسکی شان بہت اونچی ہے۔ یہ تو طہارت و تقدس کا مرکز ہے۔ کہتے ہیں کہ آسمان سے فرشتے یا بیت اللہ شریف پر نازل ہوتے ہیں، یا یہاں پر۔ اور پھر ان دو مقامات سے اکناف عالم میں پھیلتے ہیں۔ گویا فرشتوں کے صعود و نزول (چڑھنے اور اترنے) کے صرف یہی دو راستے ہیں۔ حضورؐ بھی اسی راستے سے معراج کی رات آسمانوں کو تشریف لے گئے۔ کیونکہ اس وقت قبلہ یہی تھا۔

مسجد صخرہ نماز عصر سے فراغت کے بعد مسجد صخرہ کی طرف روانہ ہوا۔ جو مسجد اقصیٰ کے جانب شمال کو تقریباً ۲۵۰ قدم دور دس فٹ اونچی سطح پر واقع ہے۔ یہ مسجد مثمن (ہشت کونہ) شکل میں ایک گول بلند عمارت ہے۔ جسکی بلندی اندازاً ۵۰ فٹ ہوگی۔ اس کا ہر ایک کونہ بیس قدم ہے گویا تمام عمارت کی گولائی (لپیٹ) ۱۶۰ گز ہے۔ صخرہ عربی زبان میں بڑے پتھر کو کہتے ہیں، اس مسجد کے درمیان میں زرد رنگ کی ایک بہت بڑی چٹان ہے۔ اس لئے اسکو مسجد صخرہ کہتے ہیں، جانب قبلہ یعنی جنوب کی طرف اس چٹان کے نیچے اترنے کی سیڑھیاں ہیں، لوگ نیچے اتر کر نوافل پڑھتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہاں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل پڑھے ہیں۔ اس پتھر کے نیچے کشادہ جگہ ہے۔ جس میں بیک وقت پچاس تک آدمی بخوبی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ عام لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ پتھر آسمان و زمین میں معلق تھا۔ رفتہ رفتہ زمین کی طرف قریب ہوتا گیا اور اب زمین پر ہے۔ عوام اس پتھر کو بوسہ دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تخت رب العالمین ہے۔ عیسائی مرد و زن اس پتھر کو اس لئے عزت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قدم رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو اس وقت یہ پتھر دشمنان اسلام کی بے حرمتیوں کا شکار تھا، اور گوبر وغیرہ کے ڈھیر اس پر ڈالے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اسکو صاف ستھرا کرنے کا حکم دیا اور اسکو پانی سے دھویا۔ پھر اس پتھر کے بالائی حصہ پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھی۔ اس پتھر کے درمیان ڈھائی فٹ چوڑا گول سوراخ ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے۔ کہ حضورؐ جب یہاں تشریف لائے تو اس پتھر نے حضورؐ کو اهلاً وسهلاً اور مرحبا کے کلمات کہے اور ان پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ پھر حضورؐ اس سوراخ سے گزر کر آسمانوں پر تشریف

ے گئے ۔ اس پتھر پر پانچ چھ انچ مربع کالے رنگ کا ایک نشان ہے ۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب حضورؐ معراج کی رات آسمانوں پر تشریف لے جا رہے تھے، تو اس پتھر نے حضورؐ کی رفاقت کی خواہش ظاہر کی۔ حضورؐ نے اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی کہ تیرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ یہ نشان حضورؐ کے ہاتھ رکھنے کا ہے۔ (اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ باتیں کہاں تک درست ہیں۔) ایک عرب عالم سے میں نے ان امور کے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب میں کہا : هكذا يقول الناس والله اعلم بحقائق الاشياء ولم ينقل من النبي المعصوم في ذلك شيئ۔ وكلام الناس كثير۔ (اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کے حقائق پر علم رکھتا ہے۔ حضورؐ سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں۔ لوگوں کی روایات متعدد و مختلف ہیں۔)

اس صخرہ (چٹان) کے نیچے چاروں طرف لمبے لمبے شیشے لگائے گئے ہیں۔ تاکہ لوگ اس پتھر سے تبرک کی نیت سے ٹکڑے جدا نہ کریں۔ نچی سطح سے یہ پتھر کسی جگہ آٹھ فٹ اور کسی جگہ چار پانچ فٹ اونچا ہے۔ اس میں وہ محراب ہیں، جن پر نشانات لگائے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے یہاں نماز پڑھی تھی۔ صخرہ کے بالائی حصہ کے جانب جنوب و مغرب ایک چھوٹا سا منارہ ہے۔ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک ہے۔ اس مسجد میں جو شاندار قالین بچھے ہیں، وہ حکومت پاکستان نے بھیجے ہیں۔ مسجد صخرہ کے چار بڑے دروازے ہیں۔ باب القبلہ - باب الجنۃ - باب الشرقی - باب الغربی — باب الغربی تو تمام دن کھلا رہتا ہے۔ باب القبلہ نمازوں کے وقت کھلتا ہے۔ باب الشرقی اور باب الجنۃ (جو شمال کی طرف ہے) ہمیشہ کے لئے بند رہتے ہیں۔ باب الجنۃ کے متصل تین گز لمبی اور ایک گز اونچی دیوار میں سات محراب بنائے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہاں سات صحابہ نے نماز پڑھی ہے۔ "باب الغربی" کے قریب دیوار پر یہ عبارت درج ہے :

> تم تجديد عمارة مسجد الصخرة المشرفة في عهد الراجي من الله التوفيق الحسين بن طلال ملك المملكة الاردنية الهاشمية في الثامن والعشرين من شهر ربيع الاول سنة ۱۳۸۴ھ الموافق للسادس من آب سنة ۱۹۶۴م ۔
>
> ترجمہ ۔ مسجد صخرہ کی عمارت کی تجدید و مرمت (اللہ تعالیٰ سے توفیق کے طلبگار و امیدوار) شاہ حسین کے دور مملکت میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ تاریخ تکمیل ۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ مطابق ۶ آب (اگست) ۱۹۶۴ء ۔

مسجد صخرہ کے باہر ایک وسیع چبوترہ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ کہ یہاں سلیمان علیہ السلام فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ اس چبوترے کے ایک ستون میں شگاف پڑ گئے ہیں۔ یہودیوں نے لڑائی کے دوران

مسجد صخرہ کے گرانے کے لئے میں مسجد کو توپ کا نشانہ بنایا تھا۔ مگر حفاظت ایزدی نے اس کو محفوظ رکھا۔ یہ گولے اس ستون کے قریب گرے۔ مسجد اقصیٰ اور مسجد صخرہ کے بیرونی فرشوں کی مرمت تیزی سے جاری ہے۔ مسجد اقصیٰ کی چھت کو بھی لینٹر کرنیکا کام جاری ہے۔

حرم قدس | حرم قدس ایک بہت ہی وسیع میدان کا نام ہے۔ اسکی لمبائی ۵۰۰ گز اور چوڑائی ۳۱۰ گز تقریباً ہے۔ حرم میں جابجا زیتون، سرو اور نارنج کے درخت ہیں۔ اس حرم کے چودہ دروازے ہیں۔ ان دروازوں کے مختلف نام ہیں۔ باب السلام، باب الرحمۃ، باب الرسل، باب الحبس، باب القطانین، باب الغوانمہ، باب المغاربہ، باب السلاسل، باب المئذنۃ الحمراء ـــــ ان دروازوں میں بعض دروازے مقفل ہیں۔ جانب شمال صرف دو دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اسطرف فوج رہتی ہے ـ جو دروازے ان کے تصرف میں ہیں وہ بند رہتے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

مغرب وعشاء کی نماز پڑھکر میں نے زاویہ ہندیہ کا رخ کیا۔ راستہ میں ایک نوجوان طالب العلم سے ملاقات ہوئی۔ اس طالب العلم نے اپنا نام عبدالفتاح سلیمان بتایا۔ عرب اپنے نام کے ساتھ والد کے نام کا ذکر جزو لاینفک سمجھتے ہیں۔ لازماً ہر عرب اپنے نام کے ساتھ اپنے والد کا نام ذکر کرتا ہے۔ یہ طالب العلم اربد کا رہنے والا ہے۔ اور یہاں المعہد العلمی الاسلامی میں مذہبی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

صرف دو مذہبی مدرسے | تمام حکومت اردن میں صرف دو مذہبی مدرسے ہیں۔ ایک یہ مدرسہ جو حرم کی آغوش میں جانب مغرب کو ہے۔ اور دوسرا مدرسہ نابلس میں ہے۔ نابلس یہاں سے ۵۰ کیلومیٹر دور وہ شہر ہے۔ جہاں یعقوب علیہ السلام رہتے تھے۔ اور عام روایات کے مطابق یہاں پر ہی بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تھا۔

چونکہ دروازے بند ہونے والے تھے۔ اس لئے اس طالب العلم کے ساتھ مزید گفتگو نہ ہو سکی۔ رات کو خوب برف باری ہوئی۔ صبح کی نماز کے لئے جب مسجد اقصیٰ کیطرف روانہ ہوا تو غضب کی سردی محسوس ہوئی۔ نماز پڑھکر کچھ تلاوت کی۔ سورج طلوع ہونے کے بعد مغربی جانب کے ایک ہوٹل میں چائے نوشی کے لئے گیا۔ جہاں کافی مقامی عرب بیٹھے ہوئے حقہ نوشی اور گپ شپ میں مصروف تھے۔ یہاں حقہ نوشی کا بہت زیادہ رواج ہے۔ واپسی پر معہد علمی کے دیکھنے کے لئے گیا۔ اساتذہ اور طلبہ حاضر ہو گئے تھے۔ تمام اساتذہ اور طلبہ بڑی محبت سے پیش آئے۔ مدیر المعہد نے دفتر میں بٹھا کر چائے پلائی اور پاکستان کے بارے میں دریافت کیا کہ وہاں عربی مدارس ہیں یا نہیں۔ اور لوگوں میں مذہبی علوم اور عربی زبان سیکھنے کا شوق کیسا ہے۔ میں نے ان کو اس بارہ میں پوری تفصیل بیان کی، اور کہا

کہ معہد علمی جیسے مدارس تو پاکستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں موجود ہیں۔ یہاں تو صرف معدودے چند کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ پاکستان کے مدارس میں تفسیر و حدیث۔ فقہ۔ اصول۔ صرف۔ نحو۔ منطق۔ فلسفہ وغیرہ تمام علوم بالاستیعاب پڑھائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے مدارس بھی موجود ہیں۔ جن میں چار چار سو طلباء پڑھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر مدارس دارالعلوم دیوبند سے بالواسطہ وابستہ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند ہند میں ایک قدیم عظیم علمی دارالعلوم ہے۔ جس کی نظیر تمام عالم اسلامی میں موجود نہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ مدارس امدیہ ہیں حکومتیہ نہیں۔ یعنی قوم کے مصارف سے چلتے ہیں اور ان میں سے کئی ایک مدارس کے سالانہ مصارف کا تخمینہ لاکھوں تک پہنچتا ہے۔ خود ہمارے دارالعلوم حقانیہ کا سالانہ بجٹ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سے زائد ہے۔ اساتذۂ معہد متحیر ہوئے اور کہنے لگے کہ اب تک ہمارا یہ خیال تھا کہ ہند و پاکستان میں کوئی مذہبی مدرسہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہاں جتنے پاکستانیوں کو ہم نے دیکھا ہے۔ وہ صرف انگریزی میں بات کر سکتے ہیں۔ عربی نہیں جانتے۔ پھر پوچھنے لگے کہ آپ نے لغت عربی عرب ممالک میں رہ کر سیکھی ہے۔ یا پاکستان کے کسی عربی مدرسہ میں۔ میں نے کہا کہ دارالعلوم حقانیہ جو پاکستان کا ایک ممتاز علمی ادارہ ہے۔ وہاں میں نے تعلیم پائی ہے۔ اور وہاں عربی لغت کسی حد تک سیکھی ہے۔ میں نے ان کو پاکستانی مدارس کے نصاب۔ طرزِ تعلیم، اساتذہ کی قابلیت، اکابرین دیوبند کی بعض تصانیف کا تذکرہ کیا تو انہوں نے بڑی حسرت سے کہا کہ یہاں محقق اور متصلب علماء ناپید ہوگئے ہیں۔ جن سے ہم علمی تشنگی بجھائیں۔ حکومت ہمارے علوم کی تخریب میں کوشاں ہے۔ کہنے لگے کہ یہاں صرف بیت المقدس میں ایک سو سے زائد مدرسے مسیحیوں کے ہیں جن میں ہمارے مسلمانوں کے بچے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور تمام اردن میں مسیحی مدارس کی تعداد تقریباً تین سو کے لگ بھگ ہے۔ اب موجودہ عرب ظاہری اور مادی ترقیات کے درپے ہیں۔ ان میں رنگینی ہی رنگینی رہ گئی ہے۔ علوم دینیہ سے متنفر اور باطن کے کورے اور مادیت کے دلدادہ رہ گئے ہیں۔ سرتا قدم یورپی تمدن اور طرزِ معاشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ایسی مقدس زمین میں جہاں ایک زمانہ میں ہزاروں دینی مدارس تھے۔ اب یہاں صرف ایک مدرسہ (وہ بھی نامکمل) رہ گیا ہے۔ ایسے پاک خطے میں جہاں کے ہر گوشے میں دورِ قدیم کے اولوالعزم پیغمبروں کے نقوش اب تک موجود ہیں۔ جن سے قرآنی تاریخ کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ عیسائیوں کے ان تعلیمی اداروں کی بہتات مسلمانوں کی حمیت و غیرت کو للکار رہی ہے۔ باطل مذہب والے تو اپنے فاسد عقائد کی نشر و اشاعت میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔ اور مسلمان قوم۔ پھر وہ مسلمان عرب۔ جن کے آباء و اجداد نے اسلام کی روشنی چاردانگ عالم میں پھیلائی۔ ان کی موجودہ نسل دشمنانِ اسلام کے فنونِ تہذیب سیکھنے میں مصروف ہے۔ یا للعجب۔ والمشتکیٰ الی المستعین ــــــ

— مسجد عمر کے اساتذہ سے رخصت لیکر بطل حریت حضرت مولانا محمد علی جوہر کی قبر دیکھنے کے لئے گیا۔ یہ قبر ایک بند کمرے میں ہے۔ جو مسجد صخرہ کے بالمقابل جانب مغرب کو ہے۔ کتبہ پر یہ عبارت لکھی گئی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ
ضريح المجاهد العظيم مولانا محمد علی الهندی تغمده الله برحمته
توفى بلندن فى الخامس من شعبان ودفن بالقدس الجمعة الخامس
من رمضان سنة تسع واربعين وثلاثمائة والف ۔

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کی جان و مال کے بدلے جنت دے گا۔ یہ مجاہد عظیم مولانا محمد علی ہندیؒ کی قبر ہے۔ (اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں جگہ دے) پندرہ شعبان کو لندن میں وفات پاگئے اور جمعہ کے دن پانچ رمضان ۱۳۴۹ھ کو قدس میں دفن کئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے شریعت و سیاست کے اس علمبردار کو کتنا بلند مقام عطا فرمایا۔ تحریری و تقریری جہاد کرتے کرتے دار الکفار لندن میں جاں بحق ہوئے اور آخری آرامگاہ بیت المقدس کے نورانی خطہ میں نصیب ہوئی۔ زہے سعادت۔ اقبال مرحومؒ نے مولانا جوہرؒ کے بارے میں کہا تھا۔ ؎

سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت۔

مولانا جوہرؒ کی قبر کے قریب شریف حسین والی حجاز کی قبر بھی ہے۔

المتحف الاسلامی للعرم اسلامی عجائب گھر کے دیکھنے کے لئے گیا جس میں مسجد اقصیٰ اور مسجد صخرہ کی بہت سی قدیم چیزیں موجود ہیں۔ جنات کے زمانے کے شہتیر، کڑیاں، ستون، دیواروں میں جڑے ہوئے سنگ مرمر کے کتبے۔ قرآن مجید کے قلمی نسخے۔ مجمرے (خوشبو سلگانے کی انگیٹھی) قمقم۔ اعلام، منبر پوش۔ پرانے سکے۔ عہد قدیم کے آلات حرب، جنگی لباس و دیگر نادر و نایاب متبرک اشیاء موجود ہیں، جن کے دیکھنے سے صدیوں پہلے اسلامی دنیا کی تہذیب و تمدن آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید کا ایک نسخہ موجود ہے، جو ہرنی کی کھال پر لکھا گیا ہے۔ انتہائی خوش خط اور جاذب نظر ہے۔ اس پر یہ عبارت لکھی گئی ہے:

النصف الاخير من القرآن الكريم مكتوب على رق غزال بخط كوفي جميل
وكتب على هامشه كتبه محمد بن الحسين ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم

ترجمہ :- قرآن مجید کا آخری نصف جو ہرنی کی کھال پر خوبصورت کوفی خط سے لکھا گیا ہے

اس کے سرورق پر مکتوب ہے، کہ محمد کے ہاتھ لکھا گیا ہے۔ محمد حسنؓ کا بیٹا ہے۔ اور حسنؓ حسینؓ کا اور حسینؓ فاطمۃ الزہراؓ کا بیٹا ہے۔

یہاں ایک نسخہ وہ بھی ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ یہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ان کے امر سے لکھا گیا تھا۔ ۷۲۵ھ کا ایک نسخہ دیکھا جو زعفران اور سنہری سیاہی سے ہرن کی کھال پر لکھا گیا ہے۔ اس پر یہ لکھا ہوا ہے:

اوقف هذه الربعة الشريفة على المسجد الاقصى المبارك عبد الله على امير المسلمين ابن امير المسلمين ابى سعيد عثمان ابن امير المسلمين ابى يوسف يعقوب بن عبد الحق ملك المغرب ۷۲۵ھ ۔

قرآن مجید کا یہ چوتھا حصہ عبد اللہ علی نے ۷۲۵ھ میں مسجد اقصیٰ کے لئے بطور وقف بھیجا ہے۔

ایک پرانے کتبے پر یہ کلمات بہت پسند آئے:

روى الحسن عن ابى الحسن عن جد الحسن ان احسن الحسن الخلق الحسن

قال علىؓ عز من قنع وذل من طمع ۔

پھر ٹ کے ایک ٹکڑے پر یہ آیت لکھی گئی ہے:

من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذى باركنا حوله ــــ السلطان مصطفٰے خان ابن السلطان الغازى عبد الحميد خان ۔

ایک کتبہ پر لکھا ہوا ہے:

قال عليه السلام صخرة بيت المقدس من صخور الجنة صدق رسول الله ۔

ایک کتبہ پر مکتوب ہے:

قال عليه السلام من اراد ان ينظر الى بقعة من بقع الجنة فلينظر الى بيت المقدس ۔

یہاں پرانے زمانے کی موم بتیاں دیکھیں جو لمبے چوڑے ستونوں کی طرح ہیں۔ ایک موم بتی کی موٹائی تین فٹ اور لمبائی سات فٹ ہے ــــــــــــــ (باقی آئندہ)

خدایا! ارضی اسباب اور دنیا میں سہارے سب ٹوٹ چکے، اب تیرے دین کی مدد اور فتح کا
صرف یہی صورت رہ گیا ہے کہ تیرے آستانہ پر سر رکھ کر دیا جائے، اور تیرے سہارے کو
مضبوط پکڑ لیا جائے۔ اب صرف تیرا بھروسہ ہے اور تیری ہی ذات حقیقی ناصر ہے۔ (سلطان صلاح الدین ایوبی)

ملتِ اسلامیہ
آج کسی صلاح الدین ایوبیؒ کیلئے مضطرب ہے۔

فاتح بیت المقدس، عالمِ اسلام کا محافظ

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

(از مولانا ابو الحسن علی ندوی)

سنہ ۴۹۰ھ میں صلیبیوں کے پہلے لشکر نے شام کی طرف کوچ کیا، دو سال کے عرصہ میں صلیبیوں کے لشکر نے الرہا (ایڈیسا) اور ولایت انطاکیہ کے بڑے شہروں، بہت سے قلعوں اور حلب پر قبضہ کرلیا۔ سنہ ۴۹۲ھ (سنہ ۱۰۹۹ء) میں صلیبی مجاہدوں نے یروشلم (بیت المقدس) کو فتح کرلیا، اور چند سال کے اندر اندر ملک فلسطین کا بڑا حصہ یعنی ساحل شام پر انطرطوس، عکہ، طرابلس الشرق اور صیدا صلیبیوں کے تصرف میں آگیا۔ مشہور انگریز مؤرخ سٹینلے لین پول کے بقول صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھس گئے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچر ٹھونکے، تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا۔ کہ درختِ اسلام کے تنے کو چیر کر اسکی دھجیاں اڑا دیں گے۔ صلیبیوں نے داخلہ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہوکر نہتے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا ذکر ایک ذمہ دار مسیحی مؤرخ ان الفاظ میں کرتا ہے:

"بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام برپا کیا، کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہوکر گئے، گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا۔ یا ان کو چکر دیکر فصیل سے پھینک دیا گیا، یہودی کل کے کل اپنے ہیکل (معبد) میں زندہ جلا دئے گئے۔"

"دوسرے دن اس سے بڑے پیمانہ پر ان لرزہ خیز مظالم کا جان بوجھ کر اعادہ کیا گیا،

ٹنکرڈ نے تین سو قیدیوں کی جان کی حفاظت کی ضمانت کی تھی، وہ چیختا رہا اور ان سب کو باہر لا کر قتل کر دیا گیا۔ پھر ایک زبردست قتلِ عام شروع ہوا، مردوں، عورتوں اور بچوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیئے گئے۔ ان کی لاشوں کے ٹکڑے اور کٹے ہوئے اعضاء کے ڈھیر لگ گئے۔ بالآخر یہ سفاکانہ قتلِ عام اختتام کو پہنچا، شہر کی خون آلود سڑکوں کو عرب قیدیوں سے دھلایا گیا۔[1]

بیت المقدس کی فتح اسلامی سلطنت کے ضعف اور زوالِ اسلامی دنیا کی بیداری اور اس کی زرخیز طاقت کی خبر دیتی تھی، اور عالمِ اسلام میں خطرہ کی گھنٹی تھی، شام و فلسطین میں مستقل چار عیسائی ریاستیں، قدس، انطاکیہ، طرابلس، اور رہا کی قائم ہو چکی تھیں، جو مرکزِ اسلام (حجاز) کی آزادی اور حرمت کے لیے مستقل خطرہ تھیں۔ مسیحیوں کے حوصلے اتنے بلند ہو چکے تھے کہ ریجی نالڈ والی کرک نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور روضۂ اطہر سے متعلق گستاخانہ اور اہانت آمیز کلمات اور ارادوں کا اظہار کیا، حقیقت یہ ہے کہ واقعۂ ارتداد کے بعد اسلام کی تاریخ میں اس سے زیادہ نازک وقت اور خطرہ کی گھڑی نہیں آئی، یہ دوسرا موقع تھا کہ اسلام کا وجود خطرہ میں تھا اور عالمِ اسلام کو ایک فیصلہ کن جنگ کرنی ضروری تھی۔

صلاح الدین ایوبیؒ کی ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ اور اسلام کی صداقت و ابدیت کی روشن دلیل ہے۔

ایک متوسط درجے کے کرد شریف زادہ اور خاندانی سپاہی کی حیثیت سے ان کا نشو و نما ہوا۔ مصر کی فتح اور صلیبیوں کے مقابلہ میں میدان میں آنے سے پہلے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کرد نوجوان بیت المقدس کا فاتح اور عالمِ اسلام کا محافظ ثابت ہوگا، اس کی قسمت میں وہ سعادت لکھی ہے، جو بڑے بڑے عالی نسب شرفاء اور صلحاء کے لئے قابلِ رشک ہے۔ اور تاریخ میں وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے گا جس کی صدیوں تک کو شادمانی حاصل ہوگی۔

لین پول لکھتا ہے کہ "بجائے اس کے کہ صلاح الدینؒ سے کوئی علامت ایسی ظاہر ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ آئندہ کوئی بڑا آدمی ہونے والا ہے۔ وہ ایک روشن مثال اس خاموش اور پرامن نیکی کی بنا رہا، جو شریف طبیعتوں کو تمام اخلاقی کمزوریوں سے دور رکھتی ہے"۔[2]

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۶ ص ۷۲۶ مضمون "CRUSADES" [2] سلطان صلاح الدین ایوبی از اسٹینلے لین پول ص ۱۸۸۔ [3] سلطان صلاح الدین ایوبی ص ۹۳

لیکن جب اللہ تعالیٰ کو ان سے کام لینا منظور ہوا، تو اس کا فیصلہ سلطان کیا گیا، ان کو ان کے چچا نعمت نور الدین نے سخت اصرار و حکم سے مصر بھیجا، قاضی بہاء الدین ابن شداد سلطان کے معتمد خاص لکھتے ہیں۔ کہ سلطان نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میں بڑی ناگواری اور مجبوری سے مصر آیا۔ میرا مصر آنا بالکل میری مرضی سے نہیں ہوا۔ میرا معاملہ بالکل وہی ہے، جس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ "وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم" [1]

مصر پہنچ کر جب صلاح الدین کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا، اور مصر کی زمام مملکت ان کے ہاتھ میں آگئی، تو ان کی زندگی یکسر بدل گئی۔ یہ خیال دل میں جم گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور اس کام کے ساتھ عیش و راحت کا کوئی جوڑ نہیں۔

قاضی بہاء الدین ابن شداد لکھتے ہیں کہ حکومت (مصر) کی باگ ڈور ہاتھ میں آجانے کے بعد دنیا ان کی نظر میں ہیچ ہو گئی، شکر گذاری کا جذبہ ان کے دل میں موجزن ہوا۔ شراب سے توبہ کی، عیش و تفریحات سے منہ موڑ لیا اور ایک سنجیدہ اور جفاکش زندگی اختیار کی، اور اس میں دن بدن ترقی ہی ہوتی گئی ہے

لین پول بھی یہی لکھتا ہے:

"اب جہاں تک صلاح الدین کا اپنی ذات سے تعلق تھا، اس نے اپنی زندگی کے قواعد سخت کر دئے۔ متقی اور پرہیزگار تو وہ ہمیشہ کا تھا۔ مگر اب ان میں اور سختی اختیار کی دنیا کے عیش و آرام اور لذتوں کا خیال بالکل ترک کر دیا اور اپنے اعمال پر بھی سخت پابندیاں عائد کیں اور اپنے ساتھیوں کے حق میں خود ایک مثال بنا، اس نے اپنی تمام تبلیغ کی کوششیں اس بات میں صرف کیں کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کرے، جس میں کہ کفار کو ملک سے خارج کرنے کی پوری طاقت ہو۔ چنانچہ ایک موقع پر اس نے کہا جب خدا نے مجھے مصر دیا، تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی مجھے اللہ کو دینا منظور ہے۔"

"اس وقت سے صلاح الدین کی زندگی کا مقصد آخر عمر تک اسلام کی نصرت اور حمایت رہا اور اس نے عہد کر لیا کہ کفار پر جہاد کرے گا۔" [2]

سلطان کو جہاد سے عشق تھا، جہاد اسکی سب سے بڑی عبادت، سب سے بڑی لذت عیش اور اسکی روح کی غذا تھی،

---

[1] النوادر السلطانیہ ص ۳۱ [2] النوادر السلطانیہ والمحاسن الیوسفیہ ص ۳۲ - ۳۳

[3] سلطان صلاح الدین ص ۱۰۶

قاضی ابن شداد کہتے ہیں :

"جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق ان کے رگ و ریشہ میں سما گیا تھا، اور ان کے قلب و دماغ پر چھا گیا تھا، یہی ان کا موضوع گفتگو تھا۔ اسی کا ساز و سامان تیار کرتے رہتے تھے۔ اور اس کے اسباب و وسائل پر غور کرتے۔ اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کو تلاش رہتی۔ اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف وہ کرتے۔ اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر انہوں نے اپنی اولاد اور اہل خاندان اور وطن و مسکن اور تمام ملک کو خیر باد کہا، اور سب کی مفارقت گوارا کی اور ایک خیمہ کی زندگی پر قناعت کی، جسکو ہوائیں ہلا سکتی تھیں کسی شخص کو اگر ان کا قرب حاصل کرنا ہوتا، تو وہ ان کو جہاد کی ترغیب دیتا، (اور اس طرح انکی تقریب و قربت حاصل کر لیتا۔) قسم کھائی جا سکتی ہے۔ کہ جہاد کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد انہوں نے ایک پیسہ بھی جہاد اور مجاہدین کی امداد و اعانت کے علاوہ کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا۔"[1]

میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی جس نے اپنے اکلوتے بچے کا داغ اٹھایا ہو۔ وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے۔ خود ساری فوج میں گشت کرتے اور پکارتے پھرتے یا للاسلام اسلام کی مدد کرو! آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے

سلطان کی اس عاشقانہ کیفیت اور دردمندی کی تصویر ابن شداد نے ان الفاظ میں کھینچی ہے :-

"میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی۔ جس نے اپنے اکلوتے بچے کا داغ اٹھایا ہو۔ وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے، خود ساری فوج میں گشت کرتے اور پکارتے پھرتے۔ یا للاسلام" اسلام کی مدد کرو! آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے۔"[2]

عکا کے معرکہ میں ان کی کیفیت یہ تھی :

سارے دن سلطان نے ایک دانہ منہ میں نہیں رکھا۔ صرف طبیب کے مشورہ اور اصرار سے ایک مشروب کا استعمال کیا۔[3]

---

۱ النوادر السلطانیہ ص ۱۷ ۲ ایضاً ص ۱۵ ۳ ایضاً ص ۱۵

شاہی طبیب سے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ جمعہ سے اتوار تک سلطان نے صرف چند لقمے کھائے۔ ان کی طبیعت میدانِ جنگ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں تھی لہ

آخر مختلف جنگی کارروائیوں اور مقابلوں کے بعد وہ معرکہ پیش آیا جو تاریخ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ اور جس نے فلسطین کی مسیحی سلطنت کا خاتمہ اور صلیبیوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، یہ حطین کی جنگ تھی، جو ہفتہ کے دن ۲۴ ربیع الآخر ۵۸۳ھ کو پیش آئی اور جس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی، لین پول اس میدانِ جنگ کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:

"مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لئے گئے۔ گائی بادشاہ یروشلم اور اس کا بھائی جافیلون (جیفن) کا ریجی نالڈ تینن کا ہمفری طبقات داویہ اور سبیطار کے دونوں مقدم اور بڑے بڑے عیسائی سرشار گرفتار کر لئے گئے ۔۔۔ باقی فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے۔ مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی پیدل اور سوار جو زندہ بچے تھے، سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے۔ ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جنہیں خود اس نے گرفتار کیا تھا۔ خیمے کی رسی میں باندھے جاتا دیکھا گیا، ٹوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے، جیسے پتھر پہ پتھر پڑے ہوں۔ اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے خربوزوں کے کھیت میں خربوزے پڑے نظر آئیں ۲ ۔۔۔ مدتوں تک جنگ کا یہ میدان جس میں یہ خونی لڑائی ہوئی تھی، اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ مشہور رہا ایک سال کے بعد سپید سپید ہڈیوں کے تودے اور ڈھیر دور سے لوگوں کو نظر آتے تھے۔ اور جانوروں کے کھانے کے بعد جو ٹکڑے لاشوں کے بچے تھے، وہ بھی میدان میں جا بجا پڑے دکھائی دیتے تھے۔ ۳"

اس فتح کے ساتھ یہ واقعہ بھی تاریخ میں یادگار رہیگا جس سے سلطان کی دینی حمیت اور اس کی قوت ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مناسب ہے کہ واقعہ بھی ہم انگریز مورخ کی زبان سے سنیں:

"سلطان صلاح الدین نے اپنا خیمہ لڑائی کے میدان میں نصب کرایا، جب خیمہ نصب ہو گیا، تو حکم دیا کہ قیدی سامنے حاضر کئے جائیں۔ بادشاہ گائی اور ریجی نالڈ جافیلون (جیفن)

لہ النوادر السلطانیہ ص ۹۰ ۲ سلطان صلاح الدین ص ۱۸۷ - ۱۸۸ ۳ ایضاً ص ۱۸۹

دونوں اندر لائے گئے۔ سلطان نے بادشاہ یروشلم کو اپنے پہلو میں بٹھایا، اور اسے پیاسا دیکھ کر برف میں سرد کئے ہوئے پانی کا کٹورا دیا، گائی نے پانی پیا، اور پانی کا کٹورا وائی کرک ریجی نالڈ کو دیا۔ سلطان یہ دیکھ کر ناخوش ہوا اور ترجمان سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ میں نے اس شخص کو پانی نہیں دیا ہے۔ بادشاہ گائی کو دیا ہے۔ روٹی اور نمک جسے دیتے ہیں، وہ محفوظ سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ آدمی اس قسم کی حفاظت میں بھی میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا۔ صلاح الدین اتنا کہہ کر کھڑا ہوا اور ریجی نالڈ کے سامنے آیا۔ ریجی نالڈ جب سے خیمہ میں داخل ہوا تھا، برابر کھڑا رہا تھا، سلطان نے اس سے کہا "سن میں نے تجھے قتل کرنے کی قسم دو مرتبہ کھائی تھی، ایک مرتبہ تو اس وقت جب کہ تونے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ دوسری مرتبہ اس وقت جب کہ تونے دھوکے اور دغابازی سے حاجیوں کے قافلہ پر حملہ کیا تھا[1]۔ دیکھ میں اب تیری بے ادبی اور توہین کا انتقام لیتا ہوں۔ اتنا کہہ کر صلاح الدین نے تلوار نکالی اور جیسا کہ عہد کیا تھا ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ جو کچھ رمق باقی تھی اسے پہرے والوں نے آکر ختم کیا۔

بادشاہ گائی اس قتل کو دیکھ کر لرز گیا، اور سمجھا کہ اب اسکی باری آئے گی۔ صلاح الدین نے اس کا اطمینان کیا، اور کہا کہ بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہ کو قتل کریں۔ اس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں۔ اب جو کچھ گذر گیا گذر گیا"[2]

ابن شداد نے لکھا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو طلب کیا اور کہا کہ: ھا انا انتصر لمحمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں، ابن شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان نے اسکو اسلام کی دعوت دی مگر اس نے قبول نہیں کی۔[3]

خطین کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آگیا جسکی سلطان کو بے حد آرزو تھی، یعنی بیت المقدس کی فتح۔ قاضی ابن شداد نے لکھا ہے:

"سلطان کو بیت المقدس کی ایسی فکر تھی، اور اس کے دل پر ایسا بار تھا کہ پہاڑ اسکے متحمل نہیں ہو سکتے[4]"

---

[1] قاضی ابن شداد کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جب ان بے کس حاجیوں نے اس سے انسانیت، شرافت کی درخواست کی تو اس نے گستاخانہ کہا کہ "اپنے محمد سے کہو کہ تمہیں رہائی دیں"۔ یہ فقرہ صلاح الدین کو پہنچا، اور اس نے منت مانی کہ اگر یہ بے ادب اس کے ہاتھ آئے گا تو اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کروں گا۔ ص ۱۲۰

[2] سلطان صلاح الدین ص ۱۸۸ [3] النوادر السلطانیہ ص ۱۶۴ [4] النوادر السلطانیہ ص ۲۱۳

اسی سال ۵۸۳ھ، ۲۷ رجب (۱۱۸۷ء) کو سلطان بیت المقدس میں داخل ہوئے اور پورے ۹۰ برس کے بعد یہ پہلا قبلہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی، اسلام کی   میں آیا۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ سلطان کے داخلہ کی تاریخ بھی وہی تھی جس تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔ قاضی ابن شداد لکھتے ہیں،

"یہ عظیم الشان فتح تھی، اس مبارک موقع پر اہل علم کی بہت بڑی جماعت اور اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی، اس لئے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادہ کی اطلاع ملی، تو مصر و شام سے علماء نے بیت المقدس کا رخ کیا اور کوئی روشناس اور معروف آدمی پیچھے نہیں رہا، ہر طرف دعا تہلیل و تکبیر کا شور بلند تھا، بیت المقدس میں (۹۰ برس کے بعد) جمعہ کی نماز ہوئی، قبہ صخرہ پر جو صلیب نصب تھی وہ اتار دی گئی، ایک عجیب منظر تھا، اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں نظر آرہی تھی۔" [1]

نور الدین زنگی مرحوم نے بیت المقدس کے لئے بڑے اہتمام اور بڑے صرف سے منبر بنوایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ بیت المقدس واپس دلائے گا، تو یہ منبر نصب کیا جائے گا، صلاح الدین نے حلب سے وہ منبر طلب کیا اور اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔ [2]

صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، فیاضی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا، وہ عیسائی مورخ کی زبان سے سننے کے قابل ہے:

صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت ثابت نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ اس موقع پر کیا، جب کہ یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جارہا تھا۔ اس کی سپاہ اور معزز افسران ذمہ دار نے جو اس کے تحت تھے، شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو روکتے تھے، اور اس کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی واقعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو، پیش نہ آیا۔ شہر سے باہر جانے کے کل رستوں پر سلطان کا پہرہ تھا، اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا، کہ ہر شہر والے کو جو زرِ فدیہ ادا کر چکا ہے، باہر جانے دے۔"

---

[1] النوادر السلطانیہ ص ۷۶   [2] تاریخ ابی الفداء حموی

پھر سلطان کے بھائی العادل اور بطریق اور پالیان کے ہزار ہزار غلام آزاد کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:

اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی اپنی طرف سے اور پالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی، اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کر دیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زر فدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے۔ آزاد کئے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہ جائیں۔ اور یہ سب باب البعزر سے نکلنے شروع ہوئے، اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک ان کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں۔ یہ خیر و خیرات تھی جو صلاح الدین نے بے شمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔

غرض اس طرح سلطان صلاح الدین نے اس مغلوب و مفتوح شہر پہ اپنا احسان و کرم کیا، جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں، تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں۔ جب گوڈجرے اور ٹنکرڈ یروشلم کے کوچہ و بازار میں سے گذرتے تھے، تو وہاں مردے پڑے اور جاں بلب زخمی لوٹتے تھے، جب کہ بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو ان صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا۔ اور زندہ آدمیوں کو جلایا تھا، جہاں قدس کی چھتوں اور برجوں پر جو مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے۔ وہیں ان صلیبیوں نے انہیں اپنے تیروں سے چھید کر گرا لیا تھا۔ اور جہاں ان کے اس قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا، جب کہ اس مقدس شہر کو ظلم و بدنامی کے رنگ میں انہوں نے رنگایا تھا، جہاں رحم و محبت کا وعظ جناب مسیح نے سنایا تھا، اور فرمایا تھا کہ خیر و برکت والے ہیں۔ وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں ان پر خدا کی برکتیں نازل رہتی ہیں۔

جس وقت یہ عیسائی اس پاک و مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے اس کو مذبح بنا رہے تھے، اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے۔ اور ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم و کرم ہو رہا تھا۔

صفات خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفت رحم ہے، رحم عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے۔ جہاں عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے

رحم جان بچا سکتا ہے۔

اگر صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا، تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت اور شہامت میں یکتا، اور بے مثل شخص تھا۔ ؎

بیت المقدس کی فتح اور صلیبیّین کی ذلت آمیز شکست سے یورپ میں غیظ و غضب کی پھر آگ بھڑک اٹھی اور سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر اُبل پڑا جس میں یورپ کے تقریباً تمام مشہور جنگ آزما اور مشہور بادشاہ اور سپہ سالار تھے۔ قیصر، فریڈرک، رچرڈ شیر دل، شاہانِ انگلستان، فرانس، صقلیہ، آسٹریا، برگنڈی، فلانڈرز کے ڈیوک اور نائٹ اپنی آہن پوش فوجوں کے ساتھ امنڈ آئے۔ ان سب کے مقابلہ میں تنہا سلطان صلاح الدین تھا۔ اور اس کے اعزہ اور چند حلیف جو پورے عالم اسلام کی طرف سے مدافعت کر رہے تھے۔

آخر پانچ برس کی مسلسل خونریز و خون آشام جنگوں کے بعد ۱۱۹۲ء میں رملہ پر دونوں حریفوں میں جو تھک کر چور ہو گئے تھے، صلح ہوئی۔ بیت المقدس اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہر اور قلعے بدستور انکے قبضہ میں رہے۔ ساحل پر عکہ کی مختصر سی ریاست عیسائیوں کے قبضہ میں تھی، اور سارا ملک سلطان صلاح الدین کے زیر نگین تھا، صلاح الدین نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی، اور صحیح تر الفاظ میں جو کام اللہ تعالیٰ نے اس کے سپرد کیا تھا۔ اس کے ہاتھوں مکمل ہوا۔ عیسائی مورخ اس کی کامیابی اور جنگ صلیبی کے تاریک سلسلہ کے اختتام کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

"جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی، پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں، جولائی ۱۱۸۷ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین بھی نہ تھی، ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر فتح ہوئی، تو صور سے لیکر یافا تک ساحل پر بجز زمین کی ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اس صلحنامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی، صلیبیوں نے جو کچھ فتح کیا تھا، اس کا بڑا حصہ فرنجیوں کے پاس رہا۔ لیکن اگر صرف جان و مال کا لحاظ کیا جائے، تو یہ نتیجہ نہایت حقیر تھا۔ پاپائے روما کی فریاد سنتے ہی کل مسیحی دنیا نے ہتھیار اٹھائے تھے۔ قیصر، فریڈرک، شاہان انگلستان و فرانس و صقلیہ، آسٹریا کا لیوپولڈ، برگنڈی کا ڈیوک

فلانڈرز کا کاؤنٹ صدہا مشہور و معروف بیران اور تمام عیسائی قوموں کے نائٹ یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور فلسطین کے دیگر عیسائی والیان ملک طبقہ داویہ اور طبقۂ البیطار کے بڑے بڑے شہسوار اس کوشش میں معروف ہوئے کہ بیت المقدس پر اپنا قبضہ اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو مٹنے کے قریب ہے، پھر سرسبز ہو جائے لیکن انجام کیا ہوا۔؟ اسی دوران میں قیصر فریڈرک قضا کر گیا۔ شاہان انگلستان فرانس اپنے اپنے ملک کو سدھارے، اور ان کے بڑے بڑے شریف اور معزز ساتھی ارض ایلیا میں خاک کا پیوند ہوئے، لیکن یروشلم اس پر بھی سلطان صلاح الدین کا رہا، صرف ساحل عکہ کی مختصر سی ریاست پر اس کا برائے نام عیسائی بادشاہ حکومت کرتا رہا۔

تیسری جنگ صلیب میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی۔ مگر صلاح الدین کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی۔ صلاح الدین کی سپاہ جہلیوں کی سخت محنت و جانفشانی اور برسوں کی محنت ش اور خطرناک خدمت کے بعد تھک کر چور چور ہو چکی تھی، مگر کسی کی زبان پر حرف شکایت نہ تھا۔ کبھی طلبی پر حاضر ہونے اور کیک نیک کام میں اپنی جانیں قربان کرنے سے کسی نے انکار نہ کیا، دریائے دجلہ کی دور دراز وادیوں میں ممکن ہے کہ سلطان کے تابع والیان ملک کے دل میں اس ہمیشہ کی طلبی کمک پر کچھ شکایت پیدا ہوئی ہو، لیکن بہر کیف اپنی اپنی فوجیں سلطان کی خدمت میں بڑی جان نثاری اور نیک خواہی کے ساتھ لائے۔ آخری جنگ جوارسوف پر ہوئی، اس میں موصل کی فوجوں نے بڑی مردانگی اور جانبازی سے کام لیا۔ ان تمام لڑائیوں میں سلطان کو ہمیشہ مصر اور عراق کی فوجوں سے مدد ملنے کا بھروسہ رہا، اور یہی تقویت ملک شام کی شمالی اور مرکزی فوجوں سے رہی، کیونکہ کنان عرب مصری سب مسلمان اور سلطان کے خادم تھے، اور طلبی پر خادموں ہی کی طرح سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے، باوجود اس کے کہ ان کی نسل و قوم جدا تھی، اور باوجود قومی چشمکوں اور قبیلی غرور و تفاخر کے سلطان نے ان کو ایسا شیر و شکر کر دکھایا تھا کہ تمام لشکر تن واحد نظر آتا تھا، سب ایک ہی لشکر کے رکن رہے، دو ایک مرتبہ اس میں شک نہیں کہ ان کو متفق، اور متحد رکھنے میں مشکلات پیش آئیں اور بعض نازک مواقع ایسے بھی آئے کہ ان کی طبیعتوں میں فرق پیدا ہوتا۔ معلوم ہوا باوجود پانچ برس کی پیہم نبرد کے یہ تمام مختلف النسل قومیں ۱۱۹۲ء کے موسم خریف تک

سلطان کے حکم کے تابع رہیں، اور جس طرح ۱۱۸۰ء میں پہلی مرتبہ خدا کی راہ میں کام کرنے کو انہیں طلب کیا تھا، اسی طرح اخیر تک راہِ خدا میں وہ کام کرتی رہیں، اس تمام زمانہ میں نہ تو سلطان کو کوئی صوبہ اس سے منحرف ہوا اور نہ کسی ماتحت سردار یا باج گزار ریاست نے اس سے بغاوت کی گو یہ توقعات ان کی خیرخواہی اور جفاکشی سے رکھی گئی تھیں وہ کافی طور پر ایسی تھیں کہ مضبوط سے مضبوط اعتقاد اور دیانت کی طاقت کو بھی آزمائش میں لاکر ہرا دیتیں۔ صرف عراق میں سلطان کے ایک عزیز کی سرکشی کی مثال جسکی اصلاح فوراً معافی سے کر کردی گئی، ایسی ہے جس کا استثناء اس اثر کو اور قوت کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ جو سلطان اپنی رعایا پر رکھتا تھا، جب جنگ پنج سالہ کی یہ آزمائشیں اور تکلیفیں ختم ہوئیں، تب بھی سلطان کردستان کے پہاڑوں سے بے کر صحرائے نوبہ تک بذات واحد حکمران رہا۔ اور ان حدود سے بھی وہ کردستان کا بادشاہ آرمینہ کا کاتلین (حاکم وقت) قونیہ کا سلطان اور قسطنطنیہ کا قیصر اس بات کا شوق رکھتا ہے۔ کہ صلاح الدین کو اپنا دوست اور مددومعاون سمجھیں، لیکن صلاح الدین ان دوستوں اور اتحادیوں میں سے کسی کا زیر بار احسان نہ ہوا ہو۔ اس کی مدد کو نہ آئے، مبارک باد دینے البتہ حاضر ہوئے، یہ کل کشمکش صرف صلاح الدین نے کی تھی، بجز سلطان کے بھائی العادل کے جو آخری زمانہ میں بین طور پر سب کے سامنے آیا، ممکن نہیں کہ کوئی شخص کسی ایک سپہ سالار یا مشیر کو بتاسکے، جسکی نسبت کہہ سکیں کہ وہ سلطان کا مشیر یا صلاح کار ہوکر اس پر حاوی ہوگیا تھا۔ ایک مجلس حرب البتہ اس کے یہاں تھی، جو معاملات جنگ میں مشورہ دیتی تھی، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا تھا کہ سلطان کی صحیح رائے پر اس کی غلط رائے غالب آگئی جیسا کہ صور اور عکہ کے سامنے ہوا تھا۔۔۔ لیکن اس مجلس میں بھی اس کے کسی ایک رکن کی طرف اشارہ نہیں کرسکتے کہ اسکی رائے نے سلطان پر کسی دوسرے کی رائے سے زیادہ اثر کیا ہو۔ بھائی بیٹے، بھتیجے، پرانے رفیق سنئے ماتحت عامل اور ہوشیار قاضی، محتاط اور وفاشعار معتمد وزیر، متعصب واعظ اور ملا سبھی اس میں متفق الکلام تھے کہ جہاد کیا جائے۔ اور سب اس میں شریک بھی ہوئے اور سب نے آقا کی بڑی تندہی اور خیرخواہی سے اپنی اپنی لیاقت اور قوت کے مطابق مدد کی لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس بات کو بھولا ہو کہ آقا کون ہے۔ اس تشویش فکر اور محنت وجانفشانی کے نازک وقت میں

صرف ایک دل اور ارادہ تھا جو سب پر حاوی تھا۔ اور یہ دل اور ارادہ سلطان صلاح الدین کا تھا۔

بالآخر اپنا مقدس فریضہ ادا کرکے اور عالم اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے محفوظ کرنے کے بعد ۲۷ر صفر ۵۸۹ھ کو اسلام کا یہ وفادار فرزند دنیا سے رخصت ہوا۔ اس وقت انکی عمر ستاون سال کی تھی۔ قاضی بہاء الدین بن شداد سلطان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"۲۷ر صفر کی شب کو جو سلطان کی علالت کا بارہواں دن تھا، مرض میں شدت ہوگئی، اور قوت گھٹ گئی، شیخ ابوجعفر امام الکلاسہ کو جو ایک نہایت صالح اور بزرگ شخص تھے زحمت دی گئی، کہ رات کو قلعہ میں رہیں۔ کہ اگر رات کو وہ ساعت مقررہ آگئی جو سب کو پیش آنے والی ہے۔ تو وہ اس وقت سلطان کے پاس ہوں اور ان کو تلقین کرسکیں، اور اللہ کا نام لیں۔ رات کو سلطان ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفر کے لئے پابہ رکاب ہیں، شیخ ابوجعفر ان کے پاس بیٹھے ہوئے تلاوت وذکر میں مشغول تھے، تین دن پہلے سے ان پر ایک اور غفلت طاری تھی، کبھی کبھی وقت ان کو ہوش آتا تھا۔ جب شیخ ابوجعفر نے تلاوت کرتے ہوئے ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ پڑھی تو سلطان کو ہوش آگیا، ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اور چہرہ کھل گیا، اور کہا صحیح ہے۔ اور یہ کہہ کر جان جان آفریں کے سپرد کی۔ یہ چہارشنبہ کا دن، صفر کی ۲۷ر تاریخ اور فجر کا وقت تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلفائے راشدین کی وفات کے بعد سے ایسا سخت دن مسلمانوں کی تاریخ میں نہیں آیا۔ قلعہ، شہر اور تمام دنیا پر ایک دہشت سی برستی تھی، اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کیسا سناٹا اور کیسی اداسی تھی۔ میں پہلے جب سنتا تھا کہ لوگ دوسروں پر قربان ہوجانے اور ان کا فدیہ بنجانے کی تمنا کرتے ہیں، تو سمجھتا تھا کہ یہ محض ایک مجاز اور تکلف کی باتیں ہیں لیکن اس دن معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ہے۔ خود میں اور بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اگر ان کے امکان میں ہوتا کہ وہ سلطان پر اپنی جان قربان کرسکیں اور اس کی طرف سے فدیہ ہوجائیں، تو وہ اس کے لئے تیار تھے۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے ترکہ میں صرف ۴۷ درہم چھوڑے تھے کوئی ملک، مکان، جائداد، باغ، گاؤں، زراعت نہیں چھوڑی، ان کی تجہیز وتدفین میں ایک پیسہ بھی انکی میراث سے صرف نہیں ہوا۔ سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھاس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام انکے وزیر وکاتب قاضی فاضل نے کسی جائز وحلال ذریعہ سے کیا۔

برصغیر میں اسلامی مدارس اور معاشرہ پر اُن کا اثر

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ

دینی مدارس آج کل پاکستان کے تجدد زدہ حلقوں کا خاص نشانہ ہیں۔ مقالات، خطبات اور اداریوں کے ذریعہ مدارس عربیہ کی ضرورت و اہمیت گھٹانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ حضرت افغانی مدظلہٗ کے اس مضمون سے مدارس عربیہ کے دوررس اثرات اور ضرورت پر روشنی پڑے گی۔ (ادارہ)

برصغیر ہند و پاکستان میں انگریزی اقتدار سے قبل مسلمانوں میں دینی تعلیم کے لئے درس گاہیں موجود تھیں جو اکثر عام مسلمانوں کی امداد سے چل رہی تھیں اور جن کو جاری رکھنا مسلمانانِ برصغیر ملی حیات اور بقائے دین کیلئے ضروری سمجھ رہے تھے اور جن سے ایک طرف برصغیر میں بقائے اسلام اور حفاظتِ دین کا سامان فراہم ہو رہا تھا اور دوسری طرف ان میں ملی خودی کے شعور کو فروغ ہو رہا تھا۔ ان ہی دینی درس گاہوں کا نتیجہ تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ کرنے سے قبل اور بعد دینی تعلیم کے مسلمانوں میں پیدا کردہ شعورِ حریت اور احساسِ خودی سے تقریباً ڈیڑھ سو سال تک لڑنا پڑا۔ دینی تعلیم کا یہ پیدا کردہ شعور ایک تو محدود تھا اور عالمگیر نہ تھا صرف مسلمانانِ ہند کے مخصوص طبقہ میں یہ شعور موجود تھا۔ باقی امراء و آسودہ حال طبقہ ذاتی اغراض اور شخصی مفاد کے سوا ملی مقصد و اجتماعی عظمت کے تصور سے ناآشنا تھا۔ اس کے ساتھ یہ مخصوص طبقہ پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ یکجا منظم اور متحد نہ تھا اس کے علاوہ مسلمانوں میں ایسے غدار موجود تھے جو ہر وقت ملی مقصد اور قومی عظمت کو ذاتی مفاد پر قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سراج الدولہ کی ۱۷۵۷ء کی جنگ اور سلطان ٹیپو شہید کی ۱۷۹۹ء کی جنگ کامیاب نہ ہو سکی۔ اگر تمام مسلمان ملی جذبہ کی محبت سے سرشار ہوتے تو جنگ کے متعلق تاریخ کا فیصلہ دوسرا ہوتا۔ ۱۸۵۷ء کا ناکمل انقلاب اور بالاکوٹ کا معرکہ بھی انہی کمزوریوں کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکا۔ یہ تمام واقعات انگریزوں کے سامنے تھے۔ بلکہ دوسری طرف اسی مذہبی جوش اور ملی جذبہ نے افغانستان کے فاتح انگریز کو ۱۸۴۲ء میں شکستِ فاش دے کر فوج کی تباہی کے بعد ان کو افغانستان سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ یہ کاروائی

اکبر خان فرزند دوست محمد خاں کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ ان سب حالات کو دیکھ کر انگریز نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ابھی ابھی ایک عظیم الشان سلطنت نکل چکی ہے۔ اور اگر اسلامی روح ان میں اسی طرح باقی رہی برطانوی سلطنت کا استحکام ناممکن ہے۔ اور ہر وقت خطرہ رہے گا کہ مسلمانوں کو ان کا دینی جذبہ کسی بھی وقت ہمارے ہاتھوں سے سلطنت چھیننے پر ابھار دے لہذا انہوں نے اسلامی تعلیم اور اس کے سرچشموں کا ختم کرنا طے کر لیا اور لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں ایک تعلیمی مسودہ پیش کیا کہ فارسی زبان کی تعلیم کی جگہ انگریزی تعلیم دی جائے اور نصاب تعلیم ایسا ہو کہ ہمیں حکومت چلانے کے لئے ارزاں سے ارزاں ملازم مل سکیں اور یہ کوشش کی جائے کہ وہ ظاہری صورت میں ہندوستانی ہوں لیکن ذہن و فکر کے لحاظ سے انگریز ہوں۔ اس لئے نصاب ایسا رکھا گیا جو مذہبی اسپرٹ سے خالی تھا اور مندرجہ بالا مقاصد کو پورا کرتا تھا۔ مثلاً یہ تو سکھایا کہ گھڑی سے وقت کس طرح پہچانیں، موٹر کس طرح چلائیں انگریزی میں مضمون کس طرح لکھیں۔ لیکن یہ نہیں سکھایا کہ مٹی سے لوہا کس طرح نکالیں، اس کو کس طرح صاف کریں اور پھر اس سے ریل کی پٹریاں اور انجن کس طرح بنائیں اور پھر کس طرح جوڑیں۔ گویا انگریزی تعلیم سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ دینی جذبہ سرد ہو اور ان کے دلوں میں انگریزوں کی محبت کا بیج بویا جائے۔ ملی مقصد سے محبت بتدریج کم ہو جائے۔ بنیادی عقائد کی زندگی پر گرفت ڈھیلی ہو جائے۔ ایسے ملازم تیار ہوں کہ کم سے کم تنخواہ پر ہم ان سے کام لے سکیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کوشش کی گئی کہ آپس میں متفق نہ ہوں، بلکہ آپس میں لڑتے رہیں، تاکہ کسی وقت وہ متحد اور طاقتور نہ بن سکیں۔ سر جان میلکم نے لکھا ہے :

> "ہماری حکومت کی حفاظت اس پر منحصر ہے کہ جو بڑی جماعتیں ہیں ان کو تقسیم کر کے ہر جماعت کو مختلف طبقوں اور فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تاکہ وہ جدا رہیں اور ہماری حکومت کو متزلزل نہ کر سکیں [۱]"

قدیم تعلیم کا زوال انگریزوں کی اس حکمت عملی سے چند نتائج نکلے :-

۱۔ مسلمانوں کی دینی تعلیم رو بزوال ہوئی۔ حالانکہ انگریزوں کے اقتدار سے قبل برصغیر میں کافی اسلامی درسگاہیں موجود تھیں۔ تعلیمی بند کے بیان کے مطابق صرف متحدہ بنگال میں مسلمانوں کی اسی ہزار دینی درسگاہیں موجود تھیں۔ مضافات دہلی میں سات ہزار دینی مدارس تھے۔ خود دہلی میں حسب بیان مسیح الحق (قلقشندی) ایک ہزار عربی مدارس موجود تھے جن میں ایک مدرسہ شافعیوں کا اور باقی حنفیوں کے تھے۔

---

[۱] نقش حیات ص ۳۰۹ [۲] ہندوستان میں عیسائی اقتدار کا عروج۔ ص ۱۸

مغربی سیاح ڈاکٹر ہملٹن سنہ ۱۶۹۰ء میں ٹھٹھہ میں آیا وہ اپنے سفرنامہ بعہد اورنگ زیب" میں لکھتا ہے کہ:

"یہاں مذہب اور فلسفہ کا خوب چرچا ہے اور یہاں چار سو دارالعلوم ہیں۔"

مارفنس کے حوالے سے تاریخ "انقلابات عالم" (ج ۲ ص ۳۲۴) میں درج ہے کہ،

"اسلام کی حکومت میں مذہبی تنفر کا نام نہیں، حالانکہ یورپ میں ایسا ہے۔"

دنیوی خوشحالی کے متعلق میجر باسو" لکھتا ہے۔

"دولت، اطمینان، امن وسکون کا جو نظارہ دور شاہجہاں میں ہندوستان میں تھا کل دنیا میں اسکی مثال ونظیر نہیں۔"

انگریزی تعلیم کے نفاذ سے دوسرا نقصان یہ ہوا کہ جدید تعلیم کی وجہ سے علمائے اسلام کے لئے ملازمت کے دروازے بند ہوگئے اور ان کی معاشی فارغ البالی کا خاتمہ ہوا۔ انگریزی تعلیم سے قبل محکمہ تعلیم تقریباً علماء کے ہاتھ میں تھا۔ اور بڑے بڑے انتظامی عہدوں پر بھی ان کا ہی قبضہ تھا، لیکن تعلیمی سانچے کے بدل جانے سے یہ سب کچھ جاتا رہا۔ اس کے بعد وقف ملکی اور دیگر اسلامی اوقاف پر بھی انگریزوں نے قبضہ کر کے علمائے اسلام کے ذرائع تعلیم اسلام پہ کاری ضرب لگائی، علماء کی جو کچھ تعداد باقی تھی انقلاب ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کے الزام کے بہانے اس کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی گئی "قیصر التواریخ" کے حوالہ کے مطابق اس الزام میں سات ہزار علماء کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ اب دینی تعلیم چلانے کے لئے بقیۃ السیف علماء کے لئے صرف مسلمانوں کی مالی امداد کا سہارا باقی رہ گیا تھا۔ دینی تعلیم اور علماء سے مسلمانوں کی جو عقیدت تھی اسکی بدولت یہ سہارا ایک حد تک قائم رہا تھا۔ لیکن انگریزی حکومت کی شیزی نے علماء کے خلاف وہ سب کچھ کیا جو علمائے اسلام کی وقعت کو مسلمانوں کے قلوب میں کم کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ انگریزی حکمت عملی نے علماء میں پھوٹ ڈال کر لڑانے کی بھی کوشش کی تاکہ امت اسلامی میں ان کا وقار مجروح ہو کر وہ اس قابل نہ رہیں کہ دین کی کوئی موثر خدمت کر سکیں اور ان کے پاس جو کچھ علمی قوت ہے وہ باہمی مناقشات میں صرف ہو کر ضائع ہو جائے۔ لیکن ان سب تدابیر کے باوجود انگریزی حکمت عملی اسلامی تعلیم اور ان کے سرچشموں کو ختم کرنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی اور برصغیر ہند و پاکستان کے مظلوم و مفلوک الحال علماء نے تہیہ کر لیا کہ زوال حکومت کے باوجود دین بہر حال اسلام کو باقی رکھنا ہے اور اسلامی تعلیم کے سرچشموں کو نہ صرف باقی رکھنا ہے۔ بلکہ اسلامی تہذیب و تمدن کے ایک ایک اثر کو اور ملی خصوصیات کی ایک ایک نشانی کو اپنی جان سے عزیز سمجھ کر پورے عالم اسلام میں پھیلانا ہے۔ چند اہل اللہ اور علمائے ربانیین کے دل میں

اللہ تعالیٰ نے اسلامی تعلیمات کو برصغیر میں زندہ رکھنے کا یہ عزم راسخ ڈالا تاکہ مسلمانان برصغیر میں ملی روح کو باقی رکھنے کا سامان ہو۔ ان کو یقین تھا کہ صرف انگریزی تعلیم سے ملت اسلامیہ کی حیات کا سامان مہیا نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قوم کی زندگی کے لئے سب سے پہلی چیز وحدت مقصد کا وجود ہے۔ اگر یہ متحدہ مقصد موجود نہ ہو تو وہ قوم نہیں بلکہ حیوانوں کا جھنڈا اور جانوروں کا گلہ ہے۔ قومی اور ملی زندگی کے لئے ضروری ہے کہ قوم کے ہر فرد کو زندگی کے اس مشترک مقصد کی عظمت پر الیسا یقین ہو اور وہ اسکی محبت میں الیسا سرشار ہو کہ اسکی دھن میں اس کا مرنا جینا، اٹھنا، بیٹھنا، پھرنا سب کچھ ہو اور ہر فرد کو یہ مقصد اتنا عزیز ہو کہ جب کبھی اس کے سامنے اس کا ذاتی مفاد اور شخصی مقاصد اس مشترک مقصد حیات سے متصادم ہوں تو وہ اپنے تمام ذاتی مقاصد و شخصی فوائد کو یہاں تک کہ خود اپنے وجود کو بھی اس پر قربان کر دے۔ اسی مقصد مشترکہ سے جو ذہنی وحدت قوم کے افراد میں پیدا ہوتی ہے۔ مذہبی اصطلاح میں اس کا نام ایمان ہے۔ اسی سے ذاتی اغراض کے خس و خاشاک کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اسی سے عزم و استقلال، بہادری، موت سے بے خوفی، اور قربانی اور کردار کی پختگی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی وہ روح ہے جسکی آواز قوم کے قافلہ کو منزل پر پہنچاتی ہے۔ اور یہی قوت ایمان تعلیمات اسلامی کی زمین سے اگتی اور بالیدگی حاصل کرتی ہے اور یہی قوت قوموں کے عروج و زوال میں حد فاصل ہے۔ خواہ یہ مشترک مقصد فطری ہو جیسے ایمان یا مصنوعی ہو جیسے مغربی اقوام کی قومیت لیکن جب ایسی دو قوموں کا مقابلہ ہو کہ ایک فطری وحدت ذہنی یعنی ایمان کی قوت سے رنگی ہوئی ہو۔ اور دوسری مصنوعی وحدت، وحدت قومی سے تو پہلی قوم فاتح اور دوسری مفتوح ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایک قوم میں قومی وحدت ہو اور دوسری میں نہ ایمانی وحدت ہو نہ قومی تو پہلی قوم فتح پاتی ہے۔ اسلام کے فرزندوں نے اپنی اس ایمانی مقصد مشترک کی قوت سے رومی، ایرانی، ترکی، ہندی قوموں کو باوجود ظاہری بے سروسامانی کے شکست فاش دی۔ لیکن جب ایمانی مقصد مشترک مسلمانوں میں نہیں رہا تو ہلاکو کی غیر تعلیم یافتہ قوم سے انہوں نے شکست کھائی اور ہندوستان میں مٹھی بھر انگریزوں نے ان کو شکست دے کر ایک عظیم سلطنت ان سے چھین لی۔ اس مقصد مشترک اور ایمانی وحدت ذہنی کے ضعف کی وجہ سے عربوں کو "سسلی" میں نارمنوں "اندلس" میں اسپینیوں نے اور عراق و خراسان میں تاتاریوں نے شکست دی۔ جو فیصدی تعلیم میں ان نارمنوں، اسپینیوں اور تاتاریوں سے کم نہ تھے۔ قوم کے عروج و زوال میں فیصدی انگریزی خوانی کا عنصر فیصلہ کن نہیں، بلکہ اس سے زیادہ ایمان کی ناقابل تسخیر قوت فیصلہ کن ہے۔ فتح و شکست کا زیادہ تر فیصلہ فوجی محاذ کے بجائے ذہنی متحدہ محاذ کی قوت سے ہوتا چلا آیا ہے۔

یہی راز ہے کہ مسلمانوں نے اسی توثیق کی تعمیر و بقاء کو اپنی موت و حیات کا مسئلہ سمجھا اور اسی قوت ایمانی کے فروغ اور بقاء کے لئے اسلامی علوم کی تحصیل و نشر و اشاعت میں مال و جان کی حیرت انگیز قربانیاں پیش کیں جن کی نظیر تمام اقوام عالم میں نہیں مل سکتی۔

تعلیم اسلامی کے عشق میں اہل اسلام کا مالی ایثار ۱۔ امام بخاریؒ کے والد بہت بڑے سرمایہ دار تھے۔ امام بخاریؒ نے وہ سارا مال طلب حدیث میں صرف کر ڈالا[1]

۲۔ یحییٰ ابن معین نے علم الحدیث کی تحصیل میں اپنا کل سرمایہ دس ہزار روپے صرف کر ڈالا۔ یہاں تک کہ جوتی خریدنے کی رقم تک نہ رہی اور ننگے پیر چلتے تھے۔[2]

۳۔ عبداللہ بن المبارک نے تحصیل علم دین میں اپنی پوری پونجی یعنی چالیس ہزار درہم صرف کر ڈالا[3]

۴۔ محمد بن علی بن عاصم واسطی نے تحصیل علم دین میں ایک لاکھ کی رقم صرف کی جو ان کے والد نے ان کو دی تھی۔[4]

۵۔ حافظ شمس الدین ذہبی نے تحصیل علم دین میں ڈیڑھ لاکھ کی رقم صرف کی۔[5]

۶۔ ابن رستم نے تحصیل علوم اسلامیہ میں تین لاکھ کی رقم صرف کی[6]

۷۔ ہشام بن عبیداللہ نے علم الحدیث کے سفر میں سات لاکھ روپے صرف کئے۔[7]

۸۔ خطیب بغدادی نے تحصیل علوم اسلامیہ میں دو کروڑ پونڈ صرف کئے۔[8]

یہ وہ زمانہ تھا کہ روپیہ روپیہ تھا۔ شوق علوم دینیہ میں مسلمانوں کی ذاتی، مالی قربانی کا یہ حال تھا جس کے متعلق ہم نے بطور مشت نمونہ از خروار چند حوالے پیش کئے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانوں کو اپنے دور عروج میں دینی علوم کی عظمت اور اہمیت کا کس قدر احساس تھا۔

شوق علوم اسلامیہ میں جانی قربانیاں ۱۔ امام بخاریؒ نے اپنی بیوہ ماں کے زیر سایہ ترکستان، عرب، عراق، خراسان، ایران کے ایک ایک شیخ کی درس گاہ کو طلب حدیث کے لئے چھان ڈالا۔

۲۔ محمد بن مفرج اموی اندلسی نے یورپ، ایشیا، افریقہ، تین براعظم طلب علم کے لئے قطع کئے۔ اسپین کا قرطبہ، افریقہ کا مصر، ایشیا کے شہر دمشق، صنعا دین ان کے تعلیمی مقامات تھے۔

---

[1] ضحی الاسلام ج ۲ ص ۱۱۲ [2] تہذیب الاسماء ص ۶۶۳ [3] معجم الادباء ج ۱ ص ۱۱
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۸۹ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۱۲ [6] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۷۱
[7] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۵ [8] معجم الادباء ج ۱ ص ۲۲۵

۳۔ ابو محمد عبداللہ بن عیسیٰ بن ابی حبیب اندلسی وزارت کے خانوادے سے تھے۔ اسپین میں علم سے فارغ ہو کر طلب علم دین کے لئے اسکندریہ و مصر آئے پھر عراق میں داخل ہوئے اور بغداد میں مقیم رہے۔ پھر خراسان کی راہ لی اور نیشاپور اور بلخ میں قیام کیا۔ پیدا اسپین کی خاک میں ہوئے، اور ۵۴۸ھ کو افغانستان کے شہر ہرات میں دفن ہوئے۔

۴۔ ابو علی قالی عراق کے شہر دیار بکر میں پیدا ہوئے۔ طلب علم میں موصل اور بغداد سے چل کر اسپین میں دم لیا۔ ۳۵۶ھ میں قرطبہ میں وفات پائی۔

۵۔ حماسہ کے مشہور شارح تبریزی نے کتابوں کا پشتارہ پیٹھ پر باندھا۔ اور ابو العلاء المعری کی خدمت میں شام پہنچے، پسینے سے کتابوں کی یہ حالت تھی، کہ ان کا ایک ایک ورق دوسرے سے چپک گیا تھا۔ یہ مشت نمونہ از خروارے اس زمانے میں مسلمانوں کے عشق علم دین کا حال ہے کہ جس میں موجودہ مواصلات کا نام و نشان نہ تھا اور اکثر مسافت پیدل طے کرنی پڑتی تھی۔ علمائے اسلام کا عشق علم دین اس درجہ کا تھا کہ مالی تنگدستی بھی اس راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

علم اور تنگدستی | ابو سلیمان المنطقی جن کے متعلق علماء کا فیصلہ ہے:۔ "ہو فوق الفارابی و ابن سینا و ابن رشد" و ابو حیان صاحب تفسیر بحر المحیط کے استاد ہیں ۔۔۔ ابو حیان ان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کو ایک عمدہ روٹی کی خرید کی طاقت نہ تھی۔ مکان کے کرایہ اور صبح و شام کے کھانے پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔

ابو علی قالی نے اپنی جان سے عزیز قلمی کتاب جو اس کی تصنیف ہے یعنی "کتاب الامالی" و "کتاب الجمہرہ" بچوں کی قوت لایموت کے لئے شریف مرتضیٰ کو فروخت کی تو یہ شعر کہے ؎

وما کان ظنی انني سأبيعها ... ولو خلدتني في السجون ديوني

ولكن لضعف وافتقار وصبية ... صغار عليهم تستهل جفوني

ابن جبار موصلی جو علوم اسلامیہ خصوصاً علوم عربیہ کا امام ہے، تنگدستی کا اظہار ان اشعار میں کرتا ہے ؎

ولو كان ما بي بالجبال لهدها ... وبالنار اطفأها وبالماء لم يجر

وبالناس لم يحيوا وبالدهر لم يكن ... وبالشمس لم تطلع وبالنجم لم يسر

ترجمہ:۔ جو تنگی مجھ پر ہے اگر وہ پہاڑوں پر ہوتی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ اگر یہ سختی آگ پر پڑتی تو بجھ جاتی اور پانی پر پڑتی تو اس کا بہہ جانا بند ہو جاتا۔ لوگوں پر پڑتی تو مر جاتے، آفتاب پر پڑتی تو نکلنا چھوڑ دیتا اور ستاروں پر پڑتی تو ان کی گردش ختم ہو جاتی۔

علامہ زمخشری مصنف "تفسیر الکشاف" و دیگر متعدد کتب فرماتے ہیں سہ

غنی من الآداب تکسیتنی اذا نظرت فما فوق الکف غیر الانامل
فما علی امرء امثالہ اعد والحصیٰ وہات فنظیری فی جمیع المحافل

ترجمہ:۔ میں آداب بجالانے سے بے پرواہ ہوں لیکن جب ہاتھ کو دیکھتا ہوں تو اس میں انگلیوں کے سوا کچھ نہیں، ہر آدمی کی مثال ونظیر بے شمار ہیں۔ لیکن کیا تم تمام مجالس میں میری نظیر پیش کر سکتے ہو۔

یہ تو ماضی بعید کی باتیں ہیں۔ ماضی قریب میں سید محمد مبارک محدث بلگرامی استاد میر طفیل محمد بلگرامی وضو کے لئے اٹھے اور اچانک گر پڑے۔ میر طفیل محمد نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ فرمایا کہ تین دن سے کھانا میسر نہیں آیا اور کسی کو ظاہر بھی نہیں کیا۔ میر محمد طفیل کہتے ہیں، میں گھر گیا اور طعام حاضر کیا، دعا دی اور فرمایا کہ یہ کھانا اگرچہ فقہا کے ہاں جائز ہے کہ تین دن کے بعد مردار کھانا بھی درست ہے۔ لیکن فقراء کے لئے طمع کا کھانا جائز نہیں۔ میر طفیل طعام اٹھا کر گھر روانہ ہوئے اور غائب ہو کر واپس آئے کہ اب تو طمع کی صورت نہیں رہی، اس پر تناول فرمایا۔[1]

مسلمانوں کی یہ جانی مالی قربانیاں دینی علوم کی حفاظت کے لئے اس لئے عمل میں لائی جاتی تھی کہ علوم رضائے الٰہی اور حیات ابدی کا سامان ہیں، اس کے علاوہ ملت اسلامیہ کی تشکیل وحدت فکری و عملی اس کے بغیر ناممکن ہے۔ اور عقیدہ و عمل کی یک رنگی اور ذہنی متحدہ محاذ کا واحد ذریعہ مسلمانوں کے لئے علوم اسلامیہ کا فروغ ہے سہ

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

بلکہ ملت اسلامیہ کی دینی تنظیم عالمی امن اور بالخصوص ایشیا کے تحفظ کے لئے بھی بے حد ضروری ہے۔

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

آج دنیا والوں میں فکری وحدت اور ذہنی متحدہ محاذ اور نظریات و حیات کی بنیاد پر وحدت کی جدوجہد جاری ہے۔ اور اس کے لئے تمام ذرائع کو کام میں لایا جا رہا ہے۔ جو قوم نظریات و حیات کی اس تگ و دو میں دوسری قوم کے نصب العین سے جس قدر متاثر ہو جاتی ہے۔ اسی حد تک وہ کمزور ہو جاتی ہے، اور ذہنی طور پر اس قوم کی غلام بن جاتی ہے جس نے اس پر اثر ڈالا ہے۔ اور اس ذہنی غلامی کا آخری نتیجہ سیاسی غلامی ہوتی ہے تعلیمی نصب العین قومی افکار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور یہی نصب العین

[1] مسلمانوں کی تعلیم و تربیت ج ۱۔ ص ۱۰، نقل از مآثر الکرام مولانا غلام علی آزاد بلگرامی

باقی شعبہائے حیات کے لئے ایک کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تعلیمی مقصد ایک خاص ذہن بناتا ہے، جو قوم کے تمام شعبہائے زندگی میں کارفرما اور موثر ہوتا ہے، خواہ پارلیمنٹ ہو، فوج ہو، تجارت ہو، امور خارجہ ہوں، معاشرہ ہو، اخلاق ہوں سب اسی تعلیمی محور کے گرد گھومتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ فاتح قوم سب سے پہلے مفتوح قوم کا نصاب تبدیل کرتی ہے تاکہ مفتوح قوم کی ذہنیت کو اپنے مقصد کے مطابق تیار کرے۔ اسلام کا یہ ایک معجزہ ہے کہ اسلامی تعلیم جو قوم کے لئے ایک روح حیات ہے، اس کے فروغ میں حکومت اسلامی سے زیادہ حصہ عام مسلمانوں اور علماء نے لیا اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات آج تک صدہا انقلابات کے باوجود اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے۔ اس کے برخلاف مسیحیت اپنے ابتدائی دور میں تحریف و تبدیلی کا شکار ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت نے بہت جلد ایک جدید صنمیت کی شکل اختیار کی اس کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ ایک یہ کہ اسلامی حکومتوں نے اگرچہ اسلامی علوم کی ترقی میں اپنا پورا فرض ادا نہ کیا۔ لیکن اس کے ساتھ انہوں نے دینی مدارس اور منبر و محراب کی آزادی میں کوئی مداخلت بھی نہیں کی بلکہ بعض صورتوں میں اعانت کی اور خود علماء کے درس میں شریک ہوتے رہے اور علوم دینیہ اور اہل علم کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

۱۔ علاؤالدین طوسی جب ترکی پہنچے تو سلطان محمد خاں نے مدرسہ عربیہ بروسہ میں تین ہزار روپے ماہوار پر اس کو مدرس رکھا اور قسطنطنیہ کے قریب ایک گاؤں بھی ان کو عطا کیا جو قریۃ المدارس کے نام سے وہاں مشہور تھا۔ سلطان مذکور جب مدرسہ میں درس سننے کے لئے جاتے تھے تو علاؤالدین طوسی کو دس ہزار اور ہر طالب علم کو پانچ سو روپے علاوہ خلعت کے دیتے تھے۔[1]

۲۔ علامہ شمس الدین کورانی جب ترکی پہنچے تو سلطان محمد خاں بادشاہ روم نے ساڑھے چھ ہزار ماہوار پر اس کو مدرس رکھا۔

۳۔ محمد تغلق بادشاہ دہلی نے علامہ عبدالعزیز اردبیلی شاگرد ابن تیمیہ سے صرف ایک حدیث سنی وہ اس قدر خوش ہوئے کہ اس کے قدم چوم لئے اور سونے کی سینی کو دو ہزار اشرفی سے پر کرکے ان کو بطور خلعت دیا۔[2]

۴۔ بادشاہ دہلی فیروز تغلق نے علوم دینیہ پڑھانے والوں کے لئے چھتیس لاکھ روپے سالانہ مقرر کئے تھے۔[3]

---

[1] شقائق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ ج۱ ص ۱۰۵ [2] نزہۃ الخواطر ص ۹۹
[3] نزہۃ الخواطر ص ۱۱۱

۵۔ بادشاہ ہند ابراہیم شاہ جب مولانا شہاب الدین دولت آبادی کی بیمار پرسی کیلئے آئے تو بادشاہ نے پانی کا پیالہ بھر کے اس کے سر کے گرد گھما کر پی لیا اور کہا اے خدا جو بلا بھی ان کی راہ میں ہو وہ میرے سلئے مقدر کردے اور ان کو شفا دے۔ چنانچہ مولانا تندرست ہوئے اور بادشاہ فوت ہوگیا۔ [۱]

۶۔ شیر شاہ سوری طالبعلم کی درسگاہ میں آکر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کرتا تھا۔ [۲]

۷۔ علوم دینیہ کے مشہور سیالکوٹی مدرس اور مصنف مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو شاہجہاں نے دو مرتبہ چاندی میں تلوا کر وہ چاندی انہیں کو دیدی ہر مرتبہ چھ ہزار روپے وزن آیا۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ میں مولانا کا انتقال ہوا۔ ان کو ایک لاکھ ماہانہ سلطان سے ملتا تھا۔ [۳]

تحفظ دین کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ علمائے دین نے دین کی تحریف کو برداشت نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ جان پر کھیل کر کلمۂ حق کہا۔

۱۔ امام مالک نے جعفر بن سلیمان گورنر مدینہ کے ہاتھوں سو دروں اور کندھوں سے ہاتھوں کے اکھڑنے کی سزا برداشت کی لیکن ایک مسئلہ پر کہ مکرہ پر طلاق نہیں قائم رہے۔

۲۔ امام احمدؒ نے ۲۸ ماہ جیل کی اور ۳۹ دروں کی سزا برداشت کی لیکن ایک غلط مسئلہ کا کہ قرآن مخلوق ہے۔ اقرار نہیں کیا۔

۳۔ مولانا عماد غوری کو محمد تغلق نے بلایا اور پوچھا "فیض خدا منقطع نیست پس چرا باید کہ فیض نبوت منقطع شدہ" شیخ محدث دہلوی نے لکھا کہ "مولانا عماد فرمود گفت گبہ مخرچہ میگوئی تغلق حکم داد کہ او را ذبح کنند و زبانش ببرند" [۴]

بہرحال مولانا عماد کو ذبح کرا کر محمد تغلق نے ان کی زبان کٹوا ڈالی۔ لیکن انہوں نے حفاظت دین کا فرض بہرحال انجام دیا۔ اسلام کی تاریخ علمائے حق کے اس قسم کے واقعات سے پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام پر صدہا مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے بے شمار طوفان اٹھے۔ ہر قسم کے انقلابات آئے لیکن علمائے حق کی حق گوئی کی بدولت دین اسلام کی حقیقت جوں کی توں قائم رہی اور ہر تحریف ان کی حق گوئی کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتی گئی۔

ہنگامہ ۱۸۵۷ء | اس ہنگامہ میں اسلامی روح و مقصد مشترک کے فقدان اور اپنوں کی غداری کی

---

[۱] تاریخ فرشتہ   [۲] اخبار الاخیار ذکر شیخ حسن طاہر ص ۱۹۵
[۳] تذکرۂ علمائے ہند رحمان علی ص ۲۸۱   [۴] اخبار الاخیار ص ۲۰۱

کی وجہ سے علماء اور عوام کی ساری قربانیاں رائیگاں گئیں اور انگریز اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے جب عالم اسباب میں اسلامی حکومت کو واپس لانے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو زوال حکومت کے بعد زوال اسلام کا خطرہ علمائے حق کو دامن گیر ہوا ان کو خداداد فراست کی وجہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اب دینی تعلیم کا نظام درہم برہم ہو گا اور اس کی جگہ ایسا نظام تعلیم لایا جائے گا کہ دین سے اب تک جس قدر تعلق ہے، اور قلوب و افکار میں جتنا کچھ اسلامی رنگ موجود ہے۔ اس کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور مسلمانوں کو ایسی معاشی عزبت میں مبتلا کیا جائے گا کہ ان کی حریت اور جذبہ دینی خود بخود ختم ہو جائے گا اور وہ حکومت کرنے کا خیال چھوڑ کر آقایان جدید کی خوشنودی کو سب سے بڑی کامیابی سمجھنے لگیں گے۔ یہ خطرہ خیالی نہ تھا بلکہ حقیقی تھا۔ مسلمانوں کا ایک بڑا ذریعہ معاش بحیثیت حکمران قوم ہونے کے ان کی بڑی بڑی زمینداریاں تھیں۔ انگریزوں نے قدیم زمینداریوں کو ان کے اصل مالکوں کے قبضہ سے نکال کر بنیوں کو دینا شروع کر دیں جن سے خود انگریزوں کا بڑا مفاد وابستہ تھا۔ بڑے بڑے علاقے ان بنیوں کے نام ٹھیکے پر دیئے جاتے تھے۔ لیکن اصل ٹھیکیدار کوئی با اختیار انگریز ہوتا تھا۔ مسٹر برک اس امر کی الفاظ ذیل میں شہادت دیتے ہیں:

"ان بنیوں نے بڑے بڑے گھرانے الٹ دئیے۔ زمیندار گھر بار چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بھاگنے سے قبل اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ اوقاف نیلام ہو رہے ہیں جو انہوں نے یا ان کے بزرگوں نے خدا کی راہ میں اس لئے رکھے تھے۔ کہ ان کی آمدنی سے بیواؤں، یتیموں، لنگڑے لولوں اور اپاہجوں کی امداد کی جائے گی اور وہ جائدادیں بھی جو انہوں نے کفن دفن اور مرتے وقت کی رسموں کے لئے علیحدہ کر رکھی تھی فروخت کر دی گئی، افسوس کہ جاں کنی کے وقت سکون و اطمینان سے گزر جانے کا سہارا بھی اس ظالم ہاتھوں نے قطع کر دیا۔ اف! کیسا ظالم ہاتھ تھا جس کا ظلم چتا کی آگ سے زیادہ جلنے والا اور قبر سے زیادہ حریص اور موت سے زیادہ بے رحم تھا۔[1]

یہ مسٹر برک لارڈ ہیسٹنگز پر مقدمہ میں کمپنی کی طرف سے وکیل تھا۔ یہ ظلم مسلمان زمینداروں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ مسلمان کاشتکاروں پر بھی حاوی تھا۔ انگریز اس ٹھیکے کو تجارت سمجھ کر روپیہ کماتے تھے اور بنیوں کو حکومت نے کھلی چھٹی دے رکھی تھی جو چاہو کرو۔ میجر باسو اپنی کتاب انگریزی حکومت کا استحکام

---

[1] مقدمہ ہیسٹنگز ج ۱ ص ۱۳۹

میں لکھتے ہیں :

"یہ تجارت ظلم کی ایک مشین ثابت ہوئی جس سے مجبور اور بدقسمت کاشتکار تباہ ہونے لگے ان پر ان کے انگریز آقا طرح طرح کی مہذب بربریت کا استعمال کرتے تھے اور اس سے محظوظ ہوتے تھے۔"[1]

دوسری طرف ہمارے نظام تعلیم کو ختم کرنے کی منظم کوشش کی گئی۔ ایکس سمیڈ نے صاف لفظوں میں اعتراف کرتا ہے:

"جب کسی ملک یا قوم کو غلام بنایا جاتا ہے تو فاتح سب سے پہلے یہ کام کرتا ہے کہ اس کی تعلیم کو تباہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ علم اور غلامی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔"[2]

ظاہر ہے کہ انگریزوں کے قبضے کے وقت جو نظام تعلیم رائج تھا۔ وہ صدیوں سے مسلمانوں کا نظام تعلیم تھا۔ وہی حکمران اور اس ملک کے مالک تھے۔ مسٹر انفنسٹن اور الیف وارڈن نے اپنی تعلیمی یادداشت میں صاف اقرار کیا کہ :

"ہم نے ہندوستانیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دئے۔ ہماری فتوحات ایسی ہیں کہ اس سے قوم کا علم سلب ہو جاتا ہے۔ اور علم کے پچھلے ذخیرے نیست و نابود ہو رہے ہیں۔"

لارڈ میکالے نے جدید نظام تعلیم کا جو مسودہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو پیش کیا تھا۔ اس میں اصل مقصد کو صاف واضح کیا کہ :

"تعلیم یافتہ ہندوستانی ذوق طبع رائے، اخلاق، خیالات میں بالکل انگریزوں کے رنگ میں رنگے جائیں۔ اسطرح ہندوستان و انگلستان کا تعلق ہمیشہ کے واسطے مستحکم اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے گا۔"[3]

میکالے نے انگریزی نظام تعلیم کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے :

"تعلیم اس عنوان سے دی جاتی ہے کہ تعلیم یافتہ لوگ نہ تو کوئی بڑا کام انجام دے سکتے ہیں نہ کسی فن میں کمال حاصل کر سکتے ہیں بلکہ غلامانہ ذہنیت ان لوگوں کے دماغوں میں پیدا کی جاتی ہے۔ فارغ ہونے کے بعد حکومت میں یا کوئی دوسری نوکری کرتے ہیں۔ اور اس غلامی کو معراج سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اسی طرح اپنی قیمتی زندگی کو ختم کر دیتے ہیں۔"

اس سیاسی اور معاشی اور تعلیمی بربادیوں کے علاوہ انگریزوں نے پادریوں کی بڑی بڑی جماعتیں بھیجیں تاکہ ان

---

[1] ص ۵۵ بحوالہ الرق فی الاسلام ج ۱۔ ص ۲۵۴ [2] الرق فی الاسلام ج ۱۔ ص ۲۲۵
[3] تعلیمی ہند ص ۲۲۸

مصائب میں گھرے ہوئے مسلمانوں کو مسیحیت کی بہار دکھا کر مسیحی بنایا جائے۔ یہ وہ اسباب تھے کہ جن کی بناء پر علمائے حق کو خداوند تعالیٰ نے حفاظتِ دین کے لئے کھڑا کر دیا اور انہوں نے بے سر و سامانی کی حالت میں دینی درسگاہوں کو تمام ہندوستان میں قائم کرنے کا عزم کیا۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں قیصر التواریخ کے حوالے کے مطابق سات ہزار علماء شہید کئے گئے یا جزائر انڈمان میں قید کئے گئے۔ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی جو شاہ عبدالقادرؒ کے شاگرد اور دہلی کے صدر الصدور تھے، انڈمان بھیجے گئے اور وہیں فوت ہوئے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے حاجی صاحبؒ حجاز مقدس پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور وہیں فوت ہوئے مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی قید ہو کر پھر رہا ہوئے اور مولانا محمد قاسمؒ گرفتاری سے بچ گئے۔ اور پھر عام معافی کی وجہ سے بری ہوئے ان بقیۃ السیف حضرات نے خصوصاً مولانا محمد قاسمؒ نے دیوبند میں ایک دارالعلوم کی تاسیس کا قصد کیا جس میں اللہ نے وہ برکت رکھی کہ اس ادارہ کی اسلامی خدمت کی نظیر کل عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے دس سال بعد ۱۸۶۷ء میں مدرسہ دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔ جن مقدس ہاتھوں نے یہ بنیاد رکھی اس نے دارالعلوم دیوبند کی تاسیس غیبی اشارات کے تحت کی تھی۔

۱۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کو جب جہانگیر نے دہلی طلب کیا تو دیوبند سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ اس جگہ سے مجھے علم نبوت کی بو آتی ہے۔ جس کو مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مجدد صاحب کے غیر مطبوعہ مکتوبات میں خود دیکھا ہے۔

۲۔ حضرت مولانا رفیع الدینؒ خلیفہ شاہ عبدالغنی نے خواب دیکھا کہ علم کی کنجیاں میرے ہاتھ میں دی گئیں یہ خواب دیکھ کر مولانا اس وقت متعجب ہوئے لیکن جب دارالعلوم دیوبند کے اول مہتمم وہی ہوئے تو اس خواب کی تعبیر سمجھ گئے۔

۳۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے خواب دیکھا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے پیروں کے نیچے سے نہریں نکل کر تمام عالم میں پھیل رہی ہیں۔ کوائف دارالعلوم محرم و صفر ۱۳۷۰ھ بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا علم تقویٰ اخلاص کا اعتراف مخالفین تک نے کیا۔ مولانا موصوف اور سرسید احمد خان دونوں مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ لیکن بعد میں دینی مسائل میں دونوں میں اختلاف ہوا اور وہ اختلاف "مکاتیب بنام سرسید" کی صورت میں چھپا بھی ہے۔ لیکن باوجود اس مخالفت کے جب مولانا وفات پا گئے تو سرسید نے ۲۴ اپریل ۱۸۸۰ء کو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں مولانا کی تعزیت ان الفاظ میں

کی جو مقالات سرسید حصہ ہفتم میں بھی درج ہے :

"افسوس ہے کہ جناب ممدوح مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء کو ضیق النفس کی بیماری میں انتقال فرمایا۔ زمانہ بہتوں کو رو چکا ہے اور آئندہ بھی بہتوں کو روئے گا لیکن ایسے شخص کے لئے رونا جس کے بعد اس کا کوئی جانشین نظر نہ آئے نہایت رنج و غم و افسوس کا باعث ہے۔ زمانہ تحصیل علم میں جیسے کہ وہ ذہانت، عالی دماغی، فہم و فراست میں معروف و مشہور تھے ویسے نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل و کمال تھے۔ ان کو جناب مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت راغب کر دیا تھا۔ اور حاجی امداد اللہ کے فیض صحبت نے ان کے دل کو نہایت عالی مرتبہ کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابند شریعت تھے اور دوسروں کو بھی پابند شریعت و سنت کرنے میں زائد از کوشش کرتے تھے۔ باایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا ان کو خیال تھا۔ مسائل خلافیہ میں بعض لوگ ان سے ناراض تھے۔ مگر جہاں تک ہماری سمجھ ہے۔ ہم مولانا مرحوم کے کسی فعل کو خواہ کسی سے ناراضی کا ہو خواہ کسی سے خوشی کا ہو کسی طرح ہوائے نفس یا ضد یا عداوت پر محمول نہیں کر سکتے۔ ان کے تمام کام اور افعال جس قدر تھے بلاشبہ للہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے اور جس بات کو وہ حق اور سچ سمجھتے تھے اس کی پیروی کرتے تھے ان کا کسی سے ناراض ہونا صرف خدا کے لئے تھا اور کسی سے خوش ہونا بھی خدا کے واسطے تھا۔ کسی کو مولانا موصوف اپنے ذاتی تعلقات کے سبب اچھا یا برا نہیں جانتے تھے۔ مسئلہ حب اللہ و بغض اللہ ان کے برتاؤ میں تھا۔ ان کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی خصلتیں تھیں ہم اپنے دل سے ان کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور ایسا شخص جس نے ایسی نیکی سے اپنی زندگی بسر کی ہو بلاشبہ نہایت محبت کے لائق ہیں۔[1]"

برکات دارالعلوم دیوبند دارالعلوم دیوبند کی مقبولیت عند اللہ اور بابرکت ہونے کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ باوجود اس امر کے کہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے مالیات دارالعلوم کے لئے جو اصول قائم کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حکومت اسلامی ہو یا غیر اسلامی اس سے کوئی امداد قبول نہ کی جائے۔

۲۔ جمیع امراء کا چندہ۔ جنہیں سے نام و نمود مقصود ہو ان سے چندہ قبول نہ کیا جائے کہ برکت غرباء کے

---

[1] مقالات سرسید حصہ ہفتم

چندہ میں زیادہ ہے۔ کہ ان کا مقصد صرف رضائے الہٰی ہوتا ہے۔

۳۔ دارالعلوم کے لئے مستقل آمدنی کا ذریعہ پیدا نہ کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے خوف و رجاء اور اعتماد علی اللہ کے جذبہ میں کمی آجاتی ہے جو دارالعلوم کی ترقی کا اصل سرمایہ ہے۔

یہ تمام اصول اور وصایا حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے اب تک موجود ہیں۔ اور ان پر عمل ہے۔ اس کے باوجود بادشاہوں کے بنائے ہوئے مدارس اجڑ گئے۔ اور آج ان کا نام و نشان باقی نہیں۔ اور درویشوں کا یہ ادارہ باوجود گوناگوں انقلابات کے ایک سو سال سے اب تک قائم ہے اور ہر شعبہ میں ترقی کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس ادارہ کو جو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ وہ اسلامی تاریخ میں کسی دارالعلوم یا مدرسہ دینیہ کو حاصل نہیں ہوئی۔ روئیداد مدرسہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ہر ملک کے طلباء فیض علمی حاصل کرنے کے لئے یہاں موجود رہتے ہیں جس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں احقر تدریس کی خدمت انجام دیتا تھا تو ایک طالب علم کاشغر (چین) کا جو دارالعلوم میں پڑھتا تھا میرے پاس خدمت کے لئے حاضر ہوا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کاشغر میں کیسے پتہ لگا کہ دارالعلوم دیوبند بھی کوئی دینی درسگاہ ہے۔ اس نے عجیب واقعہ سنایا کہ کاشغر کا ایک تاجر دہلی آیا تھا جب کاشغر واپس پہنچا تو لوگوں کو دہلی کا حال سنانے لگا۔ مقامی لوگوں نے اس سے پوچھا کہ دہلی کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ دیوبند کے قریب ہے۔ جب جاکر ان کو علم ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے ہاں تو دہلی کی پہچان دیوبند کے نام سے ہوتی ہے۔ بہر حال ہر زمانہ میں ہندوستان کے علاوہ وہاں عرب، چین، روس، افغانستان، ایران، جاوا، سماٹرا، وغیرہ ممالک کے طلبہ کافی تعداد میں موجود رہتے ہیں، یہ سب کشش من جانب اللہ ہے۔ نشر و اشاعت و پروپیگنڈے کا کوئی ذریعہ وہاں نہ موجود ہے اور نہ اس کو پسند کیا جاتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے اس کی شاخوں کا ایک جال تمام برصغیر میں ہزاروں کی تعداد میں پھیل گیا۔ جن سے علم دین کی مشعلیں روشن ہوئیں اور انگریزی غلامی کے باوجود بقائے اسلام کا سامان بن گیا۔ ان مدارس نے ایک طرف علوم دین کی تدریس اور تصنیفی خدمت کی دوسری طرف اسلام پر اہل باطل نے جسقدر حملے کئے ان سب کا منہ توڑ جواب دیا گیا اور مسلمانوں میں تبلیغ کر کے ان کے ایمان کو پختہ کیا اور غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کو اسلام میں لانے کی کامیاب کوشش کی جن میں سے صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ برصغیر ہند و پاکستان میں یورپ کا سب سے بڑا پادری آیا جس کا نام فنڈر تھا اور جس کو اپنے اسلامی علوم کی مہارت، فلسفہ دانی اور قوت مناظرہ پر ناز تھا۔ اور تمام علمائے اسلام کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کے شاگرد رشید مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اس چیلنج کو قبول کیا اور حکومت انگریزی کی نگرانی میں شہر آگرہ میں وہ مشہور تاریخی مناظرہ ہوا جس میں بڑے

بشے انگریز بھی شریک تھے اور ہزاروں ہندوستانی شریکِ مناظرہ تھے۔ موضوعِ مناظرہ توراۃ اور انجیل کی تحریف تھی۔ یہ مناظرہ کئی دن جاری رہا، جس میں پادری فنڈر کو شکست فاش ہوئی اور جس میں سب کے سامنے پادری فنڈر کو اعلان کرنا پڑا کہ ہماری کتابیں محرف ہو چکی ہیں۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ جس کتاب کو وہ مشکوک مان رہا ہے۔ اس پر ایمان لانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ یہ مناظرہ اردو، فارسی، عربی میں چھپ چکا ہے۔ عربی کا نام "اظہار الحق" ہے۔ پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور اتفاق کی بات ہے کہ فنڈر ہندوستان سے رسوا و ذلیل ہو کر قسطنطنیہ پہنچا وہاں بھی علمائے استنبول کو چیلنج دینا شروع کیا۔ سلطان عبدالمجید خاں مرحوم کا وقت تھا۔ خلیفہ تک خبر پہنچی اور یہ اطلاع بھی اس کو پہنچی کہ قسطنطنیہ کے علماء میں سے کوئی اس پادری سے مقابلہ کے لئے تیار نہیں۔ سلطان نے فوراً گورنر حجاز کو لکھا کہ:

> اگر حجاز میں کوئی عالم عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ کی مشق رکھتا ہو تو اسے بھیج دیا جائے۔ حرم کے شیخ اس زمانہ میں "زینی دحلان" محدث تھے۔ گورنر مکہ نے سلطان کے اس حکم سے ان کو مطلع کیا۔ انہوں نے درسِ حدیث کے حلقہ میں اس کا ذکر کیا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی اس درس میں بیٹھا کرتے تھے۔ آگے بڑھ کر انہوں نے عرض کیا کہ اس فن سے بندہ بخوبی واقف ہے۔ مولانا رحمت اللہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ قسطنطنیہ میں بھی فنڈر ہی نے فتنہ برپا کیا ہے۔ مولانا کو قسطنطنیہ روانہ کیا گیا۔ جب پہنچے تو فنڈر کو خبر ملی کہ وہی آگرہ والا ہندی مولوی یہاں بھی سر پر مسلط ہو گیا ہے۔ بغیر کسی اطلاع کے وہ قسطنطنیہ سے روانہ ہوا۔ سلطان کو اس واقعہ کا جب علم ہوا تو اس کے دل میں مولانا کی عظمت بڑھ گئی اور بڑی قدر دانی کی۔ ؎

خود مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے بانیِ آریہ سماج پنڈت دیانند کو مباحثہ اٹھکی میں اور انگریز پادریوں کو مباحثہ شاہجہاں پور میں جو مدتوں چھپ گئے ہیں، ایسی شکست فاش دی کہ پھر نہ کسی پادری اور نہ ہی کسی پنڈت کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ علمائے اسلام کو مناظرہ کا چیلنج دے سکے۔ مولانا موصوف نے غلام ہندوستان میں صداقتِ اسلامی کو آفتاب کی مانند چمکایا۔ حسب روئداد ۱۳۹۳ھ سال گزشتہ میں دارالعلوم دیوبند کے طلباء کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے زائد ہے اور آمدنی نو لاکھ تینتالیس ہزار تین سو چونسٹھ روپے اور چوراسی پیسے ہے۔

پاکستان میں مدارسِ عربیہ کا قیام | قیامِ پاکستان کے بعد یہ اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ علماء نے

؎ تعلیم و تربیت گیلانی ج ۱۔ ص ۲۸۲

اسلام نے بے سرو سامانی اور گوناگوں مصائب اور ناموافق حالات میں بقائے اسلام کے لئے پاکستان کے دونوں حصوں میں عربی مدارس قائم کر کے دین کی مشعلیں روشن کیں صرف مغربی پاکستان میں حافظ نذر احمد مصنف "جائزہ مدارس عربیہ" نے ایسے بڑے مدارس عربیہ کو جن کی ڈاک کے پتے ان کو معلوم تھے، ۲۳ مئی ۱۹۵۵ء یعنی تقریباً آج سے آٹھ سال پہلے جو خطوط روانہ کئے ان کی تعداد ۴۹۵ یعنی قریباً پانچ سو تھی بعد کے آٹھ سالوں میں جدید مدارس عربیہ میں جو اضافہ ہوا وہ اس کے علاوہ ہے۔ اور یہ تعداد تمام مدارس کی نہیں بلکہ مشہور اور بڑے مدارس کی ہے۔ اور وہ بھی صرف مغربی پاکستان کے مدارس کی ہے۔ مشرقی پاکستان کی نہیں۔ اہل مشرقی پاکستان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور دینی ذوق بھی نسبتاً زیادہ ہے۔ اس لئے وہاں کے مدارس عربیہ کی تعداد بہرحال مغربی پاکستان کے مدارس عربیہ سے زیادہ ہے۔ جائزہ مدارس عربیہ کے اندراج کے مطابق مغربی پاکستان کے مشہور عربی مدارس کی تعداد ضلعوار حسب ذیل ہے :-

ضلع	تعداد	ضلع	تعداد	ضلع	تعداد	ضلع	تعداد
کشمیر	۹	رحیم یار خاں	۳۴	بنوں	۱۴	سرگودھا	۲۹
بہاولپور	۸	سانگھڑ	۲	بہاولنگر	۸	سکھر	۲۴
پشاور	۲۸	ریاست سوات	۲	تھرپارکر سندھ	۱۰	سیالکوٹ	۱۲
ٹھٹھہ	۴	شیخوپورہ	۱۱	جہلم	۸	قلات	۹
جھنگ	۱۴	کوئٹہ و سبی	۷	جیکب آباد	۲۰	کوہاٹ	۱۱
حیدرآباد	۹	کیمبل پور	۲۰	دادو	۱۱	گجرات	۱۵
ڈیرہ اسماعیل خاں	۱۴	گوجرانوالہ	۲۰	ڈیرہ غازی خاں	۶	لاڑکانہ	۸
راولپنڈی	۱۵	لائل پور	۴۰	لاہور	۴۳	میانوالی	۱۶
مردان	۲۲	نوابشاہ	۲	مظفرگڑھ	۲۶	وزیرستان اور گلگت	۸
ملتان	۴۰	ضلع ہزارہ	۸	منٹگمری	۳۴	کراچی	۷
						مدارس انجمن اشاعت قرآن کراچی	۴۲

ان میں سے صرف سات مدارس کا سالانہ خرچ ۱۹۵۹ء میں آٹھ لاکھ اور اب تقریباً سولہ لاکھ ہے

مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم | بغداد میں ۴۵۹ھ مطابق ۱۰۶۷ء مدرسہ نظامیہ کا قیام ہوا جس میں چھ ہزار طلباء کی رہائش کا انتظام کیا گیا اور جن میں امراء و غرباء، دونوں طبقوں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے

یہ نصاب دینی اور دنیوی علوم کا جامع تھا۔ ہندوستان میں سکندر لودھی کے زمانے میں شیخ عزیز اللہ اور شیخ عبد اللہ اور بعد ازاں علامہ تفتازانی اور سید السند کے شاگردوں نے اس میں قابلِ قدر اضافے کئے یہ ترمیم شدہ نصاب نظامیہ بغداد کے نصاب کے بعد دوسرا نصاب تھا۔ یہ دونوں شیخ ملتان کے رہنے والے تھے۔ اس کے بعد جب دورِ اکبری میں میر فتح اللہ شیرازی ایران سے آئے جو بالواسطہ محقق دوانی کے شاگردوں میں سے تھے۔ اس کی آمد پر نصاب تعلیم میں اور انقلاب آیا اور علوم عقلیہ کا پلہ علوم نقلیہ پر پہلے کی نسبت بھی بھاری ہو گیا۔ ملا نظام الدین فرزند مولانا قطب الدین سہالی جو چار واسطوں سے میر فتح اللہ شیرازی کے شاگرد تھے، انہوں نے جدید نصاب مرتب کیا جو درس نظامی کے نام سے مشہور ہے۔ اور اب تک مدارس عربیہ ہند و پاکستان افغانستان و ترکستان میں مروج ہے۔ یہ نصاب تعلیم کی چوتھی ترمیم تھی۔ لیکن ان سب ترمیمات کے باوجود نصابِ مدارس عربیہ میں یہ امر بدستور قائم رہا کہ دینی مدارس کا نصاب دینی اور دنیوی علوم کا جامع تھا۔ نظامیہ بغداد سے لے کر دورِ حاضر سے اب تک اس وقت کے دنیوی علوم ہمارے نصاب تعلیم کے اسی طرح جزو رہے جس طرح دینی علوم اس کے اجزاء تھے۔ علم طب ہیئت، ہندسہ، حساب، منطق، فلسفہ، داخل نصاب تھے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو خالص دینی کتابوں کی تعداد کم اور دنیوی علوم کی کتابوں کی تعداد زیادہ تھی، چنانچہ اب تک درسِ نظامی میں کل تقریباً بیس علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ جن میں سات علوم کے سوا باقی سب دنیوی علوم ہیں اس درمیان میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دینی اور دنیوی کتب میں موازنہ قائم کرنے کی کوشش کی اور عقلی علوم سے متعلق کتب میں کمی کر دی لیکن درس نظامی کی عام مقبولیت نے اس ترمیم کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ جہاں تک درسِ نظامی کے دینی کتب کی افادیت کا تعلق ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس نصاب نے ہر دور میں اپنے علوم کے جواہر پیدا کئے کل عالم اسلام میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی، خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جو اس نصاب کے فاضل ہیں، اور ان کی ایک تصنیف جو آپ نے فلسفۂ شریعت پر لکھی ہے۔ جس کا نام حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ کل علماء اسلام کی تصنیفات میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ علمائے مصر تک نے خود اس کا اقرار کیا ہے۔ لیکن اس نصاب کے دنیوی علوم کا جو حصہ ہے وہ یونانی علوم سے متعلق ہے یونانی فلسفہ کا اکثر حصہ دورِ جدید کے فلسفہ کے بالمقابل یا غلط یا غیر ضروری ٹھہرا ہے۔ دینی علوم ناقابل تبدیل ہوتے ہیں کیونکہ ان کا سرچشمہ ذات رب العالمینؑ ہے۔ لیکن دنیوی علوم کا سرچشمہ فکر انسانی ہے۔ جس کے تجربات اور تحقیقات بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے قدیم فلسفہ کی جگہ ہمارے نصاب میں جدید فلسفہ کا داخل کرنا زیادہ موزوں ہے۔ لیکن مغربی فلسفہ کو یونانی فلسفہ کی طرح اسلامی رنگ دے کر داخل کرنا چاہئے۔ تاکہ

اسلامی روح اس کے فاسد اثرات سے محفوظ رہ سکے۔ اس لئے جدید ضروری علوم بجائے انگریزی زبان میں پڑھانے کے عربی یا اردو میں منتقل کرکے پڑھائے جائیں۔ اور وہ بقدر ضرورت ہوں تاکہ وسعت نظری پیدا ہوجائے۔ مثلاً سائنس کے اہم اصول ومبادیات داخل نصاب ہوں۔ تجربات اور تفصیلی مطالعہ ہر طالب علم کے لئے ضروری نہ ہو۔ اسی طرح ریاضی، معلومات عامہ، فلسفہ ہیئت، جغرافیہ، حفظان صحت اور علم التاریخ اسی شکل میں داخل ہوکر واقعات مہمہ کے علل واسباب کا تسلسل اور ربط ذہن نشین ہوجائے۔ لیکن ان سب علوم کو جزو نصاب بنانے کے لئے تدوین جدید کی ضرورت ہوگی۔ تاکہ اسلامی روح سے اس کا تصادم ختم ہوجائے۔ مثلاً سائنس میں وہی مسائل وقوانین اس شکل میں بیان کئے جائیں کہ مادہ چونکہ زندگی، علم اور حکمت سے خالی ہے۔ لہٰذا قدرت الٰہی کی حکمت نے بتوسط مادہ ان آثار ونتائج کے لئے یہ قوانین وضوابط بنائے ہیں جن سے وہ نتائج پیدا ہوتے۔ ایسا کرنے سے ہر مادی قانون الٰہی قانون شکل اختیار کرے گا۔ اور جس قدر ان قوانین کا علم بذریعہ سائنس بڑھتا جائے گا۔ خالق کائنات کی عظمت دلوں میں جاگزین وراسخ ہوتی جائے گی۔

جامعہ اسلامیہ بہاولپور جامعہ اسلامیہ نے علوم دین ودنیا کے جامع نصاب کی طرف قدم بڑھایا ہے جس سے امید ہے کہ قدیم وجدید کا جھگڑا ختم ہوگا۔ اور سابق دور کی طرح وحدت نصاب کی وجہ سے ایک طرف ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دینی علوم میں بلند مہارت رکھتے ہوں گے اور دوسری طرف وہ دنیوی علوم سے بھی بقدر ضرورت واقف ہوں گے۔ لیکن دنیوی علوم کا حصہ یہاں اب تک انگریزی میں ہے۔ اور طلبار کا اسی اجنبی زبان کے سیکھنے میں اتنا وقت صرف ہوجاتا ہے۔ کہ دینی علوم کی مہارت کے لئے کم فرصت ملتی ہے۔ اگر میری تجویز کے مطابق جدید علوم کا ضروری حصہ اردو یا عربی زبان میں ہو تو وقت کم صرف ہوگا۔ اور مہارت زیادہ پیدا ہوگی۔ عربی زبان میں مصر میں اور اردو میں خود پاکستان میں علوم جدیدہ ضروریہ کی کتابیں موجود ہیں جن کی تکمیل سے نصاب میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر جامعہ اسلامیہ کی یہ کوشش کامیاب ہوئی تو انگریزوں کی دین ودنیا کی تفریق کی لائی ہوئی لعنت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اور انگریزی حکومت سے قبل کی طرح نصاب تعلیم کی وحدت سے نصاب کا خاتمہ ہوکر تمام تعلیم یافتہ طبقے ایک ہی ملی اور فکری تنظیم کے تحت منظم ہوسکیں گے۔ اور قدیم وجدید طلاء ومشرکی تمام بُرائیاں ختم ہوجائیں گی۔ لیکن ایسے جامع نصاب کی تدوین کے لئے دیندار قسم کے ماہرین تعلیم جدید اور ممتاز علمار علوم اسلامیہ دونوں کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ انتخاب علماء ماہرین کے مشورت سے ہو ورنہ نہ ہی ایسا نصاب مرتب ہوسکے گا۔ اور نہ ہی اس کی کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔"

معاشرہ پر عربی درسگاہوں کے اثرات

۱۔ مسلمانوں کے ایک طویل عرصہ سے ہندو اکثریت کے ساتھ مخلوط رہنے کی وجہ سے ان میں جو ہندوانہ رسومات داخل ہوئے تھے۔ اور روز بروز ان میں اضافہ ہو رہا تھا۔ بالخصوص بعض ہندو نواز سلاطین دہلی نے ہندو تہذیب کے ساتھ اپنا رجحان ظاہر کرکے اس کے وقار کو بڑھایا تھا۔ اگر عربی تعلیم اور مدارس نہ ہوتے تو ہندوستان کے ہندو اور مسلمان میں ظاہری امتیاز ختم ہو چکا ہوتا اور پورے مسلمان ہندو تہذیب کے رنگ میں رنگے جاتے لیکن ان دینی مدارس کا ہی اثر تھا کہ اس نے اسلامی تہذیب کو ہند میں محفوظ رکھا اور ہندو تہذیب کو اسلامی تہذیب پر غالب نہ ہونے دیا۔

۲۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی تہذیب اس ملک پر مسلط ہوئی اور وہ چونکہ حکومت کے اسلحہ سے لیس تھی اس نے پوری قوت کے ساتھ اثر اندازی شروع کی اور ہندوؤں کو کم اور مسلمانوں کو زیادہ متاثر کیا لیکن اس کے باوجود بھی اسلامی تہذیب کے جسقدر خدوخال باقی رہے وہ ان دینی درسگاہوں اور ان سے پیدا شدہ مبلغین کی آواز کے اثرات تھے جن کی بدولت مسلمانوں کی اکثریت مغربی تہذیب سے محفوظ رہی اور انگریزی حکومت اپنی تہذیب کو مسلمانوں میں مقبول عام بنانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

۳۔ انگریزی حکومت کے سہارے مسیحی تبلیغ زور شور سے شروع ہوئی اور مسلمان جو زیادہ تر غریب تھے غریب بنائے گئے تھے۔ تاہم مدارس عربیہ کے تیار کردہ واعظین اور مبلغین نے اس طوفان کو روکا اور مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رکھا۔

۴۔ انگریزی دور میں آریہ سماج نے ناواقف مسلمانوں کو ہندوستان کے طول و عرض میں حتیٰ کہ دیہات میں شدھی کی تحریک چلائی اور ہندوؤں کا امیر طبقہ بھی اس کوشش میں آریوں کے ساتھ تھا لیکن علمائے اسلام اور دینی درسگاہوں کے فضلاء نے غیرت دین اور رضائے الٰہی کی خاطر تمام ہندوستان میں پھیل کر دفاع اسلام کا فرض اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوا، اور مسلمان ارتداد سے محفوظ رہے۔

۵۔ انگریزوں نے اسلامی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے خود مسلمانوں میں سے ایسے لوگ کھڑے کئے کہ جو بظاہر اسلام کا نام لے کر اسلام ہی کے بنیادی عقائد پر ضرب لگاتے تھے۔ لیکن علمائے دین نے سینہ سپر ہو کر اسلام سے مدافعت کی اور انگریزوں کی اس تدبیر کو بھی کامیاب نہ ہونے دیا۔

۶۔ انگریزی راج اور تعلیم کے ساتھ یورپ کا الحاد بھی ملک میں پھیلنا شروع ہوا اور مسلمان کو

اسلامی عقائد میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے۔ خود مغربی مصنفین خاص کر مستشرقین کی ایسی تصنیفات ملک میں پھیل گئیں جن نے جلتی آگ پر تیل کا کام دیا۔ اس طوفان الحاد کو بھی علماء مدارس نے تقریر و تحریر و تصنیفات کے ذریعہ شکست فاش دی اور مسلمانوں کے سینوں میں جو نورِ ایمان تھا اس کو بجھنے سے محفوظ رکھا گیا۔

۷۔ مسلمانوں کی عملی زندگی میں اسلامی اثرات برائے نام تھے۔ یہاں تک کہ السلام علیکم کی جگہ آداب عرض کا رواج تھا۔ مدارس عربیہ سے علم دین کا جو نور پھیلا اس سے اسلامی زندگی بدل گئی معاشرہ بدلا، اخلاق بدل گئے اور اسلامی حیات کے آثار ان میں نمایاں ہوئے۔

۸۔ ان عربی مدارس کا اثر تھا کہ اسلامی حکومت مٹ چکی۔ مسلمان غلام ہو چکے تھے۔ باہر کے مسلمانوں نے کسی وقت بھی یہاں کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی تھی۔ لیکن مدارس عربیہ کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ دنیا میں جہاں کہیں مسلمانوں پر آفت و مصیبت پڑی، اخوتِ اسلامی کے جوش میں مسلمانانِ برصغیر نے ان کا ساتھ دیا۔ مظالم سمرنا۔ تحریکِ خلافت جنگ طرابلس میں ان غلام مسلمانوں نے اخوتِ اسلامی کا وہ ثبوت دیا جس کی نظیر کوئی اسلامی ملک پیش نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ دینی تعلیم کا نتیجہ تھا۔

۹۔ خود تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کی تحریک کیوں کامیاب ہوئی۔ اس لئے کہ مسلمانوں میں تعلیم دینی کی وجہ سے اسلام کی محبت قائم تھی۔ اس جذبہ کے تحت مسلمانوں نے حیرت انگیز قربانی دی۔ اور پاکستان وجود میں آیا۔

۱۰۔ جس رقبہ پر پاکستان بنا اگر دین کی تعلیم اور اشاعت نہ ہوتی تو اس رقبہ میں بھی مسلمانوں کی اکثریت نہ ہوتی اور پاکستان نہ بنتا۔ بہرحال یہ مختصر نتائج ہیں۔ جو اسلامی مدارس کی وجہ سے ظہور میں آئے۔

ترتیب : استاد عبدالعزیز سید الاھل قاہرہ
ترجمہ : ابن الحسین مولوی محمد اسلم مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

امام شافعیؒ اور شعر

(تحصیل علم کے لئے فروتنی اختیار کرنا)

تصبر علی مر الجفاء من معلم ۔ فان رسوب العلم فی نفراته[1]

استاد کی سختی پر صبر کرنا چاہئے کیونکہ علم کی پختگی استاد کی سختی ہی سے حاصل ہوتی ہے

ومن لم یذق ذل التعلم ساعة ۔ تجرع ذل الجہل طول حیاته

جو شخص "علم" سیکھنے کے لئے ایک گھڑی کی ذلت برداشت نہیں کرتا، وہ ساری عمر جہالت کی رسوائی کے گھونٹ پیتا رہتا ہے۔

ومن فاته التعلیم وقت شبابه ۔ فکبر علیه اربعاً لوفاته

جو شخص اپنی جوانی کے وقت علم حاصل نہیں کرسکا، تو اسے مردہ سمجھ کر اس پر جنازہ کی چار تکبیریں کہنی چاہئیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے جوانی کے وقت علم حاصل نہیں کیا بلکہ اپنے اس قیمتی وقت کو لایعنی اور بیہودہ مشغلوں میں ضائع کر دیا، جسکی وجہ سے اس کا نفس (روح) مردہ ہو چکا ہے۔ تو اب اس پر نماز جنازہ پڑھ کر اسکو سپرد خاک کر دینا چاہئے۔ تاکہ اس کی روح متعفن ہو کر پاکیزہ دینی فضاء کو خراب اور بدبودار نہ کرے۔

فائدہ :- اس شعر سے امام شافعیؒ کا فقہی مسلک بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہوتی ہیں۔

حیاة الفتی والله بالعلم والتقی ۔ اذا لم یکونا لا اعتبار لذاته

بخدا! انسان کی زندگی علم اور تقویٰ ہی کے ساتھ ہے، جب انسان میں علم اور تقویٰ

---

[1] نصیحة الاخوان شرح لامیة بن الوردی۔

نہ ہو تو اسکی ذات کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔
مطلب یہ کہ انسان کی سعادت اور شقاوت کا مدار "تقویٰ" پر ہے، اگر آدمی میں تقویٰ کا جوہر موجود ہے تو اسکی سعادت میں شک نہیں، خدانکردہ اگر تقویٰ سے تہی دامن ہے تو اسکی شقاوت میں خفا نہیں، اور "تقویٰ" کا حصول بغیر "علم" کے ناممکن ہے۔ اس لئے دنیوی اور اخروی ابدی سعادت کے لئے "علم" کا سیکھنا اور حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ علم کی فضیلت اور رفعت شان کو قرآن و حدیث میں نہایت احسن طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

(حسن صحبت)

ان اشعار کو امام شافعیؒ کے تلمیذ رشید "ربیع بن سلیمان" نے روایت کیا اور فرمایا کہ: میں نے امام شافعیؒ کو یہ اشعار کہتے ہوئے سنا:

جزی اللہ عنا جعفراً حین ازلقت ... بنا نعلنا فی الواطئین فزلت[1]

اللہ تعالیٰ جعفر کو جزائے خیر دے کہ جب ہمارے قدم روندنے والوں میں پھنس کر ڈگمگانے لگے تھے۔

هم خلطونا بالنفوس والجئوا ... الی حجرات ادفأت واظلت

تو انہوں نے ہمکو اپنے ساتھ ملا لیا، اور ہمیں ایسے حجروں کی طرف پناہ دی جو گرم بھی تھے اور سایہ دار بھی۔

ابوا ان یملونا ولو ان امنا ... تلاقی الذی یلقون منا لملت

وہ ہم سے رنجیدہ نہیں ہوئے، اور جتنی تکلیفیں انہیں ہماری طرف سے پہنچی ہیں، اگر ہماری ماؤں کو پہنچتی تو وہ ضرور رنجیدہ ہو جاتیں۔

فقالوا هلموا الی الدار حتی تبینوا ... وتنجلی الغماء عما تجلت

اور وہ کہنے لگے کہ ہمارے گھر میں رہو، تاآنکہ صورت حال تمہارے لئے واضح ہو جائے اور پریشانی کی تاریکی چھٹ جائے۔

من بعد کنا لسلمی واھلها ... عبیداً وملتنا البلاد وملت

جب کہ ہم سلمیٰ اور اس کے گھر والوں کے غلام تھے، اور تمام علاقے ہم سے تنگ آرہے تھے، اور ہم ان سے تنگ آگئے تھے۔

---

[1] آداب الشافعی ومناقبہ۔

ان اشعار میں اولاً امام شافعیؒ ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے مشکل وقت میں ان کی اعانت اور مدد کی۔

ثانیاً اس اعانت کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ ایسے حسن سلوک کا ثبوت دیا کہ ہمیں بیگانہ نہیں سمجھا۔

ثالثاً ان لوگوں کے فوق التصور صبر کو بیان کرتے ہیں کہ جس قدر ہماری طرف سے ان کو تکلیفیں پہنچی ہیں۔ اور انہوں نے خندہ پیشانی سے انہیں برداشت کیا ہے۔ اگر اتنی تکلیفیں ہماری والدہ کو پہنچتیں تو وہ ضرور رنجیدہ خاطر ہو جاتی۔

تنبیہ | صاحب آداب الشافعیؒ نے اس قطعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بعض اہل عربیت کا کہنا ہے کہ یہ اشعار امام شافعیؒ کے نہیں بلکہ طفیل غنوی کے ہیں۔ چونکہ امام موصوفؒ طفیل غنوی کے اشعار کو پڑھا کرتے تھے اور ان سے تمثل کیا کرتے تھے۔ بنا بریں ان اشعار کا انتساب امام شافعیؒ کی طرف کیا گیا ہے۔

قافیہ جیم

(تصوف اور فخر)

لـه
ماذا یخبر ضیف بیتک اهله ان سیل کیف معاده و معاجه

تمہارے گھر کا مہمان گھر والوں کو کیا خبر دے گا۔ جبکہ اس سے یہ سوال کیا جائے گا۔ کہ اس کا ٹھہرنا اور لوٹنا کیسا رہا۔

اس شعر میں مہمان سے "روح" اور گھر سے "بدن" اور معاد و معاج سے حیات اخروی مراد ہے۔ اور خطاب انسان سے ہے۔ شعر کا حاصل یہ ہے کہ اگر نفس سے مرنے کے بعد والی زندگی کے متعلق پوچھا جائے تو اس کا کیا جواب ہوگا۔

ایقول جاوزت الفرات ولم انل ریًّا لدیه وقد طغت امواجه

کیا وہ یہ بتلائے گا کہ میں فرات سے پار ہوا۔ لیکن مجھے اس سے سیرابی حاصل نہ ہوئی جبکہ اس کی موجیں طغیانی پر تھیں۔

ورقیت فی درج العلا فتضایقت عمّا ارید شعابه و فجاجه

اور میں بلندی کی سیڑھی پر چڑھا، مگر اسکی گھاٹیاں اور کشادہ راستے میرے ارادہ کے سامنے بند ہو گئے۔

ولتخبرنّ خصاصتی بتملّقی　　　والماء یخبر عن قذاہ زجاجہ

میرا فقیر میری چاپلوسی کی خبر دے گا۔ اور پانی کے صاف نہ ہونے کا پتہ اس کے آبگینے سے چل جاتا ہے۔

عندی یواقیت القریض ودرّہ　　　وعلیّ اکلیل الکلام وتاجہ

میرے پاس شعر کے یاقوت اور موتی ہیں، اور مجھ پہ کلام اور شعر گوئی کا تاج ہے

تربی علی روض الربا ازھارہ　　　ویرف فی نادی الندی دیباجہ

اسکی کلیاں بلند ٹیلے کے باغیچوں پر فخر کرتی ہیں اور محفل میں اس کا پھریرا لہرا رہا ہے۔

والشاعر المنطیق اسود سالخ　　　والشعر منہ لعابہ ومجاجہ

پُرگو شاعر کینچلی اترا ہوا زہریلا سانپ ہے، اور اس کا شعر اس کا لعاب اور زہر ہے۔

وعداوۃ الشعراء داء معضل　　　ولقد یھون علی الکریم علاجہ

شعرا کی عداوت لاعلاج بیماری ہے۔ لیکن شریف آدمی کے لئے اس کا علاج آسان ہو جاتا ہے۔

پہلے چار اشعار میں امامؒ نے صوفیانہ فکر پیش کیا ہے، اور آخری چار شعروں میں عمدہ شعرگوئی پر فخر کیا ہے۔

(الفرج القریب)

صبراً جمیلاً ما اقرب الفرجا　　　من راقب اللہ فی الامور نجا

صبرِ جمیل کو شعار بناؤ کیونکہ صبرِ جمیل خوشحالی کے بہت قریب ہے، جس نے اپنے تمام معاملات میں اللہ ہی کی ذات کو سامنے رکھا اس نے نجات پائی۔

من صدق اللہ لم ینلہ اذی　　　ومن رجاہ یکون حیث رجا

جس نے خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کی اسکو (پریشانی اور) تکلیف نہیں پہنچے گی اور جس نے اللہ سے امید رکھی اس نے اپنی مراد کو پالیا۔

پہلے شعر کا حاصل یہ ہے کہ خوشحالی اور فراخی کا تعلق جسقدر صبر سے ہے، اتنا کسی اور چیز سے نہیں۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ پریشانی اور مصیبت کے وقت جزع فزع کی بجائے صبر و تحمل سے

کام سے، اور اپنے تمام معاملات میں اللہ سے خیر کا امیدوار رہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ سے خیر کی امید رکھتا ہے۔ وہ ہر قسم کے مصائب سے نجات پاتا ہے۔

دوسرے شعر کا حاصل یہ ہے۔ کہ تعلق مع اللہ کی تاثیر یہ ہے کہ انسان کو کسی بھی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوتی اس کا دل ہر وقت خوش اور مطمئن رہتا ہے۔ دیکھیں ۔

این سعادت بزور بازو نیست   تانا بخشد خدائے بخشندہ

یہ معنی ہرگز نہیں کہ اللہ والوں کو تکالیف اور مصائب نہیں پہنچتے۔

قافیہ حاء

(تقویٰ)

امام شافعیؒ کے شاگرد ربیع بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ ہم امام کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی جس کے ہاتھ میں ایک رقعہ تھا۔ امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، امام شافعیؒ اس رقعہ کو دیکھ کر پہلے مسکرائے پھر اس پر کچھ لکھا اور اس آدمی کو واپس کر دیا۔ ہمیں خیال ہوا کہ امامؒ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا ہے، چنانچہ ہم اس آدمی کے پیچھے گئے اور اس سے وہ کاغذ لے کر دیکھا اس میں یہ شعر لکھا ہوا تھا ۔

سَلِ المفتی المکی ھل فی تزاور   وضمۃ مشتاق الفؤاد جناح

مفتی مکہ سے پوچھو کہ: کیا محبوب کی زیارت کرنے اور اس کے ساتھ سینہ ملانے میں کچھ گناہ ہے۔؟

امام شافعیؒ نے اس کے جواب میں ذیل کا شعر لکھ دیا ۔

فقلت معاذ اللہ ان یذھب التقیٰ   تلاصق اکباد بھن جراح

معاذ اللہ! میرے نزدیک تقویٰ آپس میں ایسے دلوں کو نہیں ملا سکتا۔ جن میں زخم ہوں۔

سائل کا سوال صرف ایک شعر میں تھا، امامؒ نے جواب بھی ایک ہی شعر میں دیا، جواب کا حاصل یہ ہے کہ سوال جس ملاقات اور اختلاط کا ذکر ہے، یہ صرف زوجین ہی کے لئے ممکن ہے، غیر زوجین کے لئے شرعاً اسکی اجازت نہیں۔

قافیہ دال

(عفو اللہ)

نور الابصار میں بحوالہ روض الفائق سعید بن سعید سے نقل کیا گیا ہے کہ امام شافعیؒ مسجد نبویؐ

میں صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھے ہوئے تھے ، ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں اپنے گناہوں سے بہت خوفزدہ ہوں ۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا اور میرے پاس سوائے توحید کے اور کوئی نیک عمل نہیں ۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اگر حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا کہ تمہیں ساعت سے مایوس کردیں تو گناہوں کی بخشش کا ذمہ نہ لیتے ۔ (ومن یغفر الذنوب الا اللہ) اور فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تجھے جہنم میں ہمیشہ عذاب دینا چاہتے تو تمہیں "توحید" کی توفیق نہ دیتے ، پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے :

ان کنت تغدو فی الذنوب جلیدا ۔ وتخاف فی یوم المعاد وعیدا

اگر تو گناہوں میں بے فکر ہوتا ہے ۔ لیکن تجھے آخرت کے عذاب کا ڈر ہے ۔

فلقد اتاک من المھیمن عفوہ ۔ واتاح من نعم علیک مزیدا

تو بلاشبہ رب مہیمن کی طرف سے تیری مغفرت ہوگی (اور) تیرے اوپر انوکھے انوکھے انعامات ہوں گے ۔

لا تیاسن من لطف ربک فی الحشا ۔ فی بطن امک مضغۃ ووليدا

اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم جو شکم مادر میں بھی شاملِ حال رہا ، اس سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ۔

لو شاء ان تصلیٰ جہنم خالدا ۔ ماکان الھم قلبک التوحیدا

اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا کہ تم ہمیشہ جہنم میں جلتے رہو تو کبھی تمہارے دل میں اپنی توحید نہ ڈالتے

امام شافعیؒ کے یہ اشعار سن کر وہ آدمی بہت رویا اور پورے ذوق وشوق سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوگیا ۔ اور امامؒ کے ان اشعار سے اسے بڑی تسلی ہوئی ۔

ان اشعار میں امام موصوفؒ نے چند حقائق کو بیان فرمایا ہے ۔ اولاً یہ کہ انسان کو اپنے گناہوں کے حجم اور کثرت کی وجہ سے رحمتِ خداوندی سے ناامید اور مایوس نہیں ہونا چاہئے ۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ ۔ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر وشرک یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم ۔ کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو ، بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرمادے واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے ۔ (بیان القرآن)

ثانیاً انسان کے گناہ خواہ کتنے ہوں، اگر وہ ان پر پریشان اور شرمندہ ہے اور اس کے دل میں خوفِ آخرت ہے، تو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت توبہ کی توفیق عطا فرما کر اسکی مغفرت فرمادیں گے۔
ثالثاً آدمی کی سعادت یا شقاوت کا ماں کے پیٹ ہی میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ: بچہ شکمِ مادر میں نطفہ، علقہ، مضغہ کے مختلف دورے کر کے چار ماہ کا ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آتا ہے، اور اس بچہ کے لئے چار چیزوں کا فیصلہ کر دیتا ہے: عمل، موت، رزق، سعادت یا شقاوت۔ بعد ازیں اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان امورِ خیر کو ترک کر دے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب یہ حدیث سنی تو آپؐ کے سامنے انہوں نے اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمل کرو کیونکہ نیک اعمال کی توفیق اسی کو دی جاتی ہے جو سعادت مند اور نیک بخت ہوتا ہے۔

رابعاً۔ توحید (جو مرادف ایمان ہے) کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے نہیں۔ "ما کان المعمر قلبك التوحيدا" اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (واللہ اعلم)

(گردشِ زمانہ)

محن الزمان كثيرة لا تنقضى وسروره يأتيك كالاعياد
حوادثِ زمانہ اتنے کثیر ہیں جو ختم نہیں ہوتے۔ اور اسکی مسرتیں عید کی طرح کبھی کبھی آتی ہیں۔

امام موصوفؒ اس شعر میں زمانہ کی مسرتوں اور اس کے مصائب و حوادث کے درمیان موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ زمانہ کی خوشیاں اور مسرتیں اس کے حوادث اور مصائب کے مقابلہ میں عید کی مانند ہیں جو کبھی کبھی آتی ہیں۔ سال بھر میں عید صرف دو دفعہ آتی ہے۔ یہی مثال خوشی اور مسرت کی ہے۔

ملك الاكابر فاسترق رقابهم وتراه رقا فى يد الاوغاد
زمانہ اہلِ علم و فضل کا تو مالک ہے کہ ان کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہے۔ اور خود ایسے لوگوں کے ہاتھ میں محبوس ہے جو پست درجہ کے کمینے ہیں۔

یعنی زمانہ کی ستم ظریفی ملاحظہ کرو کہ اہلِ فضل و کمال کا مالک اور آقا بنا ہوا ہے۔ اور ان کو اپنے زیرِ تصرف کیا ہوا ہے۔ اور خود ایسے کمینے لوگوں کا غلام ہے جن کا وجود انسانیت کے لئے باعثِ عار ہے۔

تنبیہ | حدیث میں آتا ہے کہ زمانہ کو برا نہ کہو کیونکہ زمانہ تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ امام شافعیؒ کے ان اشعار میں زمانہ سے مراد دنیوی مال و جاہ ہے، یعنی یہ دونوں چیزیں اہل فضل و کمال سے عموماً برگشتہ رہتی ہیں، اور کمینے لوگ ان میں متصرف ہیں۔

(کسی کی موت پر خوشی کی مذمت)

ابن عبد الحکیم کہتے ہیں کہ میں نے اشہب کو امام شافعیؒ پر موت کی بد دعا کرتے ہوئے سنا۔ امامؒ سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا:

تمنی رجال ان اموت وان امت فتلک سبیل لست فیها باوحد

لوگ میرے مرنے کی تمنا کرتے ہیں، اور اگر میں مرجاؤں تو (موت کا) یہ راستہ ایسا نہیں کہ میں اکیلا ہی اس پر چلنے والا ہوں۔

فقل للذی یبغی خلاف الذی مضی تهیا لاخری مثلها فکان قد

جو گزشتہ خداوندی کے خلاف کی تمنا کرتا ہے (مثلاً وقت سے پہلے میری موت) اس سے کہو کہ وہ بھی ویسی ہی چیز کے لئے تیار رہے، گویا وہ سر پہ کھڑی ہے۔

وقد علموا لو ینفع العلم عندهم اذا مت مالداعی علی بمخلد

وہ جانتے ہیں۔ کاش! ان کا علم نافع ہوتا۔ کہ جب میں مرجاؤں گا تو مجھ پر موت کی بد دعا کرنے والا بھی ہمیشہ نہیں رہے گا۔

فائدہ ۔۔ شارح نے لکھا ہے کہ اشہب، ابن عبد العزیز بن داؤد مصر میں مالکی مذہب کے فقیہ تھے۔ انکی ولادت اسی سال ہوئی جو امام شافعیؒ کا سن ولادت ہے، وفات امام شافعیؒ کے ۱۸ دن بعد ہوئی، یہ بزرگ امام شافعیؒ کی عداوت میں مشہور تھے۔

امام شافعیؒ ان اشعار میں بتلانا چاہتے ہیں کہ دشمنوں کی موت کی تمنا ایک احمقانہ آرزو ہے، کیونکہ موت کے پنجے سے نہ وہ بچ سکتا ہے نہ یہ اس لئے کسی دوسرے کی موت کی تمنا کرنے والا گویا خود اپنے لئے موت کی تمنا رکھتا ہے۔ ابن عبد الحکیم کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے وصال کے بعد اشہب نے ان کے ترکہ سے ایک غلام خریدا، اور وہی غلام تیس دن بعد میں نے اشہب کے ترکہ سے خرید لیا۔

فان الدنیا هی دار الغرور ۔

یہ اشعار بھی درحقیقت طفیل غنوی کے ہیں۔ امام شافعیؒ ان کو بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے ان ہی کی طرف منسوب ہو گئے ۔۔۔۔۔ (مسلسل)